ماہنامہ محدث بنارس

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا عبدالوہاب حجازی

معاون مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی — **مولانا عبدالمتین مدنی**

عدد مسلسل: ۳۴۷
جلد: ۳۰ ، شمارہ: ۱۱

ذی الحجہ-محرم ۳۴-۱۴۳۳ھ

نومبر ۲۰۱۲ء

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مدیر	۴
۴-آپ ﷺ کی شفقت ورحمت	محمد اسلم مبارکپوری	۷
۵-ماہ صفر سے بدشگونی لینا	عبدالسلام صلاح الدین مدنی	۱۵
۶-تصور آخرت کے نقلی وعقلی......	عبدالسمیع محمد ہارون سلفی	۱۷
۷-مسابقۂ حفظ وتفسیر قرآن......	مولانا اسعد اعظمی	۲۴
۸-امام مسلم رحمہ اللہ اور صحیح مسلم	عبدالغفار سلفی	۲۶
۹-اعتقادی انحرافات کے ظہور......	راشد حسن فضل حق مبارکپوری	۳۱
۱۰-رحمۃ للعالمین کی توہین کی......	نسیم اختر عبدالمجید	۳۸
۱۱-خانوادۂ سید عبدالسلام......	عبدالوہاب عبدالعزیز جامعی	۴۲
۱۲-جامعہ سلفیہ بنارس میں......	ادارہ	۴۴
۱۳-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۵
۱۴-باب الفتاوی	مولانا نورالہدی سلفی	۴۶

بدل اشتراک

- ہندوستان: 150 روپئے
- بیرون ممالک: 40 ڈالر
- فی شمارہ: 15 روپئے

مراسلت کا پتہ

دار التالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱جی، ریوڑی تالاب
وارانسی - ۲۲۱۰۱۰

Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

ان دوفرقوں میں سے امن کا کون زیادہ مستحق ہے اگر تم جانتے ہو؟ (سورہ انعام:۸۱)

(تدوین حدیث کا پہلا دور)

(۱۱) عبداللہ سعود بن عبدالوحید

پہلی صدی ہجری کے اختتام پر تدوین حدیث کا عمل شروع ہوا، اس کے بعد تصنیف کا جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں نقل کیا ہے، تدوین وتصنیف کے معنی میں فرق ہے، تدوین کا مطلب ہوتا ہے، متفرق اور ادھر ادھر بکھری ہوئی چیزوں کو ایک جگہ دیوان یا کتاب میں جمع کرنا اور تصنیف کا مطلب ہوتا ہے جو کچھ مدون ہو چکا ہے اس کو ابواب اور فصول میں ترتیب دینا اور مسائل وعنوان کے اعتبار سے الگ الگ باب میں مخصوص حدیثوں کو اکٹھا کرنا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے حکم پر تدوین کا کام ابن شہاب الزہری نے سب سے پہلے کیا، مگر تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ احادیث کے مجموعے پہلے سے موجود تھے، اور بعض صحابہ کرام نے بھی کچھ نہ کچھ لکھ چھوڑا تھا، جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اصحاب النبی ﷺ میں کسی صحابی نے مجھ سے زیادہ حدیث روایت نہیں کیا ہے، سوائے عبداللہ بن عمرو کے کیونکہ وہ لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔ (صحیح بخاری:۱۱۳)

اسی طرح بعض دیگر صحابہ کرام کی تحریر کا ذکر ملتا ہے جن کو انہوں نے کسی کی طلب یا ضرورت کے تحت تحریر فرمایا، مثلاً:

(۱) حضرت اسید بن حضیر الانصاری رضی اللہ عنہ نے بعض احادیث نبویہ اور خلفاء راشدین میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے فیصلوں کو لکھ کر مروان بن حکم کے پاس بھیجا۔

(۲) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے بعض احادیث رسول کو لکھ کر حضرت عامر بن ابی وقاص کے پاس ان کی فرمائش پر بھیجا۔

(۳) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے بعض احدیث نبویہ کو لکھا اور اس کو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔

(۴) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے دادا (جد) کے مسئلہ کے بارے میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو ان کی فرمائش پر لکھ کر دیا۔

(۵) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے جو کچھ ان کے پاس احادیث رسول تھی لکھ کر اپنے بیٹے حضرت سلیمان کو ارسال کیا۔

اس طرح کی مختلف مثالیں موجود ہیں جن میں حدیث کو لکھنے کا ثبوت ملتا ہے، خود اللہ کے رسول محمد ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر جب آپ خطبہ دے رہے تھے تو یمن کے ابوشاہ کی فرمائش پر آپ نے فرمایا تھا: "أكتبوا لأبي شاه" ابوشاہ کے لیے لکھ دو۔

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حدیث لکھنے سے جو منع فرمایا تھا وہ اس لیے تھا کہ اللہ کی کتاب قرآن مجید سے احادیث رسول خلط ملط نہ ہو جائے، اور صحابہ کرام احادیث رسول کو یاد کرنے پر زیادہ توجہ دیں۔

(بقیہ صفحہ ۶ پر)

درس حدیث

عمل کی قبولیت کا دارومدار

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلىٰ أَجْسَامِكُمْ وَلَا إِلىٰ صُوَرِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلىٰ قُلُوْبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ. (صحیح مسلم، ح:۲۵۶۴)

ترجمہ: صحابی رسول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالی تمہارے جسموں اور تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔

اللہ کے نزدیک نیک اعمال کی قبولیت اور اس کے اجر وثواب کا دارومدار دل کے ارادہ ونیت پر ہے، کوئی عمل اگر اخلاص اور محض رضائے الٰہی کے لیے کیا جائے۔ ریا ونمود اور دکھاوا وشہرت اس عمل کے انجام دینے کا مقصد نہ ہو تو یہ عمل کی قبولیت کا باعث ہے، قرآن وحدیث کے بہت سارے نصوص میں اخلاص عمل کی تاکید کی گئی ہے، اور یہی اخلاص اللہ کو مطلوب ہے، اسی کی بنیاد پر وہ بندوں کو ان کے اعمال پر اجر وثواب سے نوازے گا، اسی اخلاص کی وجہ سے بظاہر چھوٹا اور معمولی عمل اللہ کے نزدیک شرف قبولیت سے سرفراز ہونے کی وجہ سے اہمیت وقدر والا بن جاتا ہے اور اس کے فقدان کی وجہ سے بظاہر بڑا عظیم الشان عمل بھی بے وزن اور رائیگاں قرار پاتا ہے، اسی سے ہم اخلاص کی اہمیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں، اور اسی حقیقت کو مذکورہ بالا حدیث میں بیان کیا گیا، اسی کے ساتھ ساتھ اسی حدیث میں ایک اور حقیقت کی طرف اشارہ ہے، جس کی اہمیت عمل کی صحت اور قبولیت کے لیے اخلاص کی ہی مانند ہے اور وہ ہے اتباع سنت، اس لیے کہ جب اللہ دل کی کیفیت کے ساتھ ساتھ عمل کی ظاہری صورت کو بھی دیکھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عمل کو صحیح طریقہ سے انجام دیا جائے اور نیک عمل کے انجام دینے کا صحیح طریقہ وہی ہے جسے ہمارے نبی ﷺ نے بتلایا ہے، اس لیے نیکی کے کام کو جس طرح اخلاص کے ساتھ انجام دینا ضروری ہے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اسے اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق ادا کیا جائے، یہ دونوں عمل کی قبولیت کی شرطیں ہیں، قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ میں اللہ نے بیان فرمایا ہے: ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحاً وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَداً﴾ (الکہف:۱۱۰)

جسے بھی اپنے رب سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہئے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔

مفسر قرآن علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: "هذان ركنا العمل المتقبل لابد أن يكون خالصا لله صوابا على شريعة رسول الله ﷺ" (تفسیر ابن کثیر ۳/۱۴۷) یہ دونوں مقبول عمل کے رکن ہیں، ضروری ہے کہ عمل اللہ کے لیے خالص اور اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق درست ہو۔

سورہ توبہ کی آیت نمبر ۱۰۵ میں بھی اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالی تمہارے ظاہری اعمال کو دیکھتا ہے: ﴿وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَسَتُرَدُّوْنَ إِلىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ اور کہہ دیجئے کہ تم عمل کئے جاؤ تمہارے عمل کو اللہ خود دیکھ لے گا اور اس کا رسول اور ایمان والے (بھی دیکھ لیں گے) اور ضرور تم کو اسی کے پاس جانا ہے جو تمام چھپی اور کھلی چیزوں کا جاننے والا ہے، سو وہ تم کو تمہارا سب کیا ہوا بتلائے گا۔ آیت کریمہ اگرچہ منافقین کے لیے وعید کے طور پر ہے کہ اللہ تمہارے اعمال اور سازشوں سے بے خبر نہیں ہے، لیکن اللہ کا دیکھنا، جاننا اور علم رکھنا اس بات کا متقاضی ہے کہ عمل کو پوری درستگی کے ساتھ انجام دینے کی سعی کی جائے، ورنہ اللہ کی رضا اور اس عمل کا اجر وثواب حاصل نہیں ہوگا، بلکہ عمل میں اخلاص کے باوجود یہ عمل بدعت قرار پائے گا اور ہر بدعت مردود اور غیر مقبول ہے۔

☆☆☆

افتتاحیہ

کچھ عادتیں ہلاک کردینے والی ہوتی ہیں

دکتور امیر الحداد کویت کے معروف صاحب قلم ہیں، عقیدہ کے موضوع پر ان کی تحریریں بڑی شگفتہ، دلچسپ اور ٹھوس علمی وزن لئے ہوتی ہیں، احیاء التراث کے معروف مجلّہ الفرقان میں بڑے لطف سے پڑھی جاتی ہیں، ذیل میں دین وعقیدہ ہی سے متعلق ان کی ایک تحریر اردو میں منتقل کی جارہی ہے، امید ہے قارئین اردو کو پسند آئے گی۔

بیروت جانے والے ہوائی جہاز میں ہم اتفاق سے قریب قریب ہوگئے،.....ہم دونوں کے لیے یہ سفر باعث راحت تھا.....سبب مجھے معلوم نہیں.....سفر میں انسان ایسی بہت سی باتوں کو یاد کرتا ہے جنہیں حضر میں یاد نہیں کرتا.....ہم نے باہم بہت سی باتوں کے متعلق گفتگو کی۔

—— ہم میں کسی کی عمر جب زیادہ ہوجاتی ہے تو اس کی ترجیحات مختلف ہوجاتی ہیں۔

—— بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جوانی جس حالت پر گذرتی ہے وہ عمر بڑھنے پر انسان میں اور پختہ اور زیادہ ہوجاتی ہے۔

—— آپ نے سچ کہا، حدیث میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابن آدم بڑی عمر کو پہونچتا ہے تو اس کے ساتھ دو چیزیں بھی بڑی ہوجاتی ہیں: مال کی محبت اور عمر کی لمبائی۔ (متفق علیہ) یہ اس کا حال ہوتا ہے جو مال کی محبت اور دنیا کی حرص پر نشو ونما پایا ہو.....لیکن میرا مقصود یہ ہے کہ دنیا کی حرص کے تقاضے انسان کے یہاں کم ہوسکتے ہیں خاص طور سے جب کہ اس کی قوت کمزور ہورہی ہو اور حاجت بھی گھٹ رہی ہو۔

میرا ساتھی کھل کر صراحت کے ساتھ بات کرنے لگا:

—— میں آپ کی اس رائے سے متفق نہیں، میرا خیال ہے کہ جو شخص کسی چیز پر جوان ہوتا ہے اسی پر بوڑھا بھی ہوتا ہے، میں خود برابر نئے منصب کے حصول کا حریص رہتا ہوں.....میں سمجھتا ہوں کہ میں ہمیشہ مناصب پر فائز رہا ہوں، لہذا کوئی قیادی منصب جب نہیں رہتا تو میں بے چینی کا شکار ہوجاتا ہوں.....اور نئے منصب کے حصول کے لیے سارے وسائل کام میں لاتا ہوں۔

—— ایسے امور کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے جو آخرت میں نفع بخش ہوں.....جیسے باجماعت نماز، عمرہ، حفظ قرآن، اور کلمۃ اللہ کی اشاعت۔

میرے ساتھی کو میرا سوال عجیب سا لگا:

—— یہ امور کبھی میری ترجیحات میں شامل نہیں رہے.....ہاں کبھی مسجد میں نماز پڑھ لیتا ہوں، لیکن حالات کے مطابق .....بیشتر نماز چھوڑ دیتا ہوں.....مطلقا پڑھتا ہی نہیں.....رمضان میں.....پانچوں نمازیں بیشتر گھر میں پڑھتا ہوں، تراویح کے لیے اکثر پہلے ہفتہ میں جاتا ہوں.....پھر چھوڑ دیتا ہوں.....عید ہمیشہ پڑھتا ہوں.....تیس سال سے میری یہی عادت ہے۔

میں اور میرا ساتھی ..... پچاس کی دہائی کے آخری سالوں میں ہیں ..... مجھے عجیب سا لگتا ہے کہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی ساٹھ کی دہائی کو پہونچنے والا ہے اور وہ سارے فرائض مسجد میں نہ ادا کرے اور رمضان کے روزے نہ رکھے جیسے ہمارے رب کو پسند ہے.....اسے تو اللہ سے قربت اختیار کرنی چاہئے .....اور اطاعت کے کاموں میں اضافہ کرنا چاہئے۔

میرے دل میں جو بات گردش کررہی تھی میرے ساتھی نے اسے محسوس کرلیا:

ـــ آپ بچپن سے مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کے عادی ہو، اس لیے اسی پر اب تک باقی ہو.....اور میں نے ایسا نہیں کیا.....اور ایسا کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتا۔

ـــ مسئلہ انسان کے عادی ہونے کا نہیں ہے، یہ عذر نہیں ہے، بلکہ یہ تو وہی بات ہے جسے کفار نے رسولوں کے احکام کو چھوڑنے کے لیے بطور وجہ جواز کہی تھی: ﴿كذلك ما أرسلنا من قبلك في قرية من نذير إلا قال مترفوها انا وجدنا آباء نا على أمة وانا على آثارهم مقتدون، قال أولو جئتكم بأهدى مما وجدتم عليه آباء كم قالوا إنا بما أرسلتم به كافرون﴾ (الزخرف:۲۳،۲۴) اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے جب بھی کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا (نبی) بھیجا تو ان کے عیش پرستوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر چلتے پایا ہے اور ہم یقیناً انہی کے نقش قدم پر چلتے رہیں گے، نبی نے کہا کیا تم اسی طریقہ سے چمٹے رہو گے، اگرچہ میں تمہارے سامنے ایسا دین پیش کروں جو تمہارے باپ دادوں کے طریقہ سے زیادہ صحیح ہو، کافروں نے کہا کہ ہم اس دین کا قطعی طور پر انکار کرتے ہیں جسے دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے۔

اسی لیے اللہ تعالی ہم کو ڈرا رہا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکموں کو نہ ماننے اور لمبے وقفہ تک اس سے اعراض کرنے کے نتیجہ میں انسان اپنی حالت سے مانوس ہوجاتا ہے اور حق سے اعراض کرنے لگتا ہے، اگرچہ وہ جانتا ہے کہ یہ اللہ کی جانب سے حق ہے: ﴿يا أيها الذين آمنوا استجيبوا لله وللرسول إذا دعاكم لما يحييكم واعلموا أن الله يحول بين المرء وقلبه وانه اليه تحشرون﴾ (الانفال:۲۴) اے ایمان والو جب اللہ اور اس کے رسول تمہیں ایسے کام کی طرف بلائیں جو تمہارے لیے زندگی کے مترادف ہو تو ان کی پکار پر لبیک کہو اور جان لو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے اور تم لوگ بے شک اسی کے حضور جمع کئے جاؤ گے۔

"يحول بين المرء وقلبه" کی تفسیر میں آیا ہے کہ مومن اور کفر کے درمیان، اور کافر اور ایمان کے درمیان حائل ہوجاتا ہے، لہذا جو شخص انسان کو زندہ کردینے والی قرآن اور شرعی اوامر کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی پکار کی قبولیت ترک کردیتا ہے.....اور اس پر باقی رہتے ہوئے اس پر اصرار کرتا ہے تو وہ ایسے مرحلہ پر پہونچ جاتا ہے..... جانتا ہے کہ دین حق ہے.....لیکن اس کی اتباع نہیں کرتا، جانتا ہے کہ نماز فرض ہے.....لیکن اسے ادا نہیں کرتا..... قیامت کے روز عذاب سے نجات کا راستہ جانتا ہے لیکن اس پر نہیں چلتا.....اللہ سے ہمارا سوال ہے کہ اس سے ہماری حفاظت فرمائے۔

میرا ساتھی متاثر نہیں ہوا:

ـــ آپ کی بات صحیح ہے.....لیکن جیسا کہ میں نے کہا..... ہماری یہی عادت بن چکی ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ اس کے بدلنے کی مجھ میں طاقت ہے۔

ـــ میرا خیال ہے کہ اگر آپ چاہو تو آپ میں اس کے بدلنے کی طاقت ہے.....کیا خیال ہے آپ کا؟

ـــ اگر اللہ نے چاہا۔

یہ بات اس نے بے پروائی سے یوں ہی کہہ دی۔ ☆☆☆

(بقیہ درس قرآن)

آپ ﷺ کے زمانہ میں لکھنے کا رواج نہیں تھا، اکثریت اَن پڑھ اور اُمی لوگوں کی تھی جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور آپ ﷺ بھی امی تھے، اگر احادیث رسول کی اشاعت کا ابتدائی عمل تحریری شکل میں ہوتا تو شاید بہت سی باتیں ضائع ہو جاتیں، کیونکہ احادیث رسول ہمارے پاس انہیں صحابہ کرام کے ذریعہ سے ہی پہنچی ہیں جو اسلام کے پھیلاؤ کے ساتھ مختلف ملکوں کے دور دراز علاقوں میں پھیل گئے تھے، وہ جہاں بھی گئے اپنے سینوں میں ان احادیث رسول کو لے کر گئے، ان کے دل علم شریعت سے معمور تھے، انہوں نے جو کچھ بھی نبی کریم ﷺ سے سیکھا تھا اور تربیت حاصل کی تھی سب ان کے سینوں میں محفوظ تھا، اور اللہ نے ان کو کمال کا حفظ اور یادداشت فراہم کیا تھا کہ احادیث رسول کو من وعن، ہو بہو انہیں الفاظ کے ساتھ جیسا کہ انہوں نے سنا تھا آنے والی نسل تک سینہ در سینہ پہونچایا۔ اس کی ایک مثال صحیح بخاری کی یہ حدیث ہے:

عن أبي النضر مولى عمر بن عبيد الله عن بسر بن سعيد أن زيد بن خالد أرسله إلى أبي جُهيم سأله ماذا سمع من رسول الله ﷺ في المار بين يدي المصلي؟ فقال أبوجهيم قال رسول الله ﷺ: "لو يعلم المار بين يدي المصلي ماذا عليه لكان أن يقف أربعين خيرا له من أن يمر بين يديه". قال أبوالنضر لا أدري أقال أربعين يوما أو شهرا أو سنة۔ (صحیح بخاری:۴۸۸)

ابوالنضر کہتے ہیں یہ میں نہیں جانتا کہ چالیس دن کہا یا مہینہ یا سال۔ راوی اگر کوئی لفظ بھول جاتا تو اپنی طرف سے کچھ نہ بڑھاتا، یہ امانت داری کی ایک مثال ہے جس کو امام بخاری نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جو پہلے مدینہ کے گورنر رہ چکے تھے جب ۹۹ھ میں خلیفہ منتخب ہوئے تو انہوں نے ایسی بہت سی چیزوں کی اصلاح کی جو بادشاہوں نے رائج کردی تھی، آپ کبار تابعین میں تھے اور صحابہ کرام کے زمانہ کو پایا تھا، جب آپ پر خلافت کی ذمہ داری آئی تو آپ نے دیکھا کہ اب دنیا میں نبی کریم ﷺ کا کوئی ساتھی نہ بچا، صحابہ کا دور ختم ہو چکا ہے، اگر احادیث رسول کو قلمبند نہ کرایا گیا تو ہوسکتا ہے کہ اللہ کے رسول کی احادیث ضائع ہو جائیں، چنانچہ انہوں نے حضرت ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ دیکھو جو بھی حدیث رسول ملے اس کو لکھ لیا جائے کیونکہ مجھے خوف ہے کہ علماء کے چلے جانے سے علم مٹ جائے گا اور حدیث نبوی کے علاوہ کوئی چیز قبول نہ کی جائے گی۔

یہ کام ایسا ہی تھا جیسا کہ کتاب اللہ قرآن مجید کے جمع کرنے کا تھا، جس کو خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے جمع کرایا تھا۔☆ (جاری)

آپ ﷺ کی شفقت ورحمت

(۳)

محمد اسلم مبارکپوری

اس مضمون کی دو قسطیں سال رواں کے ماہ اپریل اور مئی کے شمارے میں شائع ہو چکی ہیں، ان قسطوں میں نبی ﷺ کی قوم قریش، چچا ابو طالب اور یہودی غلام کے ساتھ کمال محبت اور شفقت کی بعض مثالوں کو پیش کیا گیا ہے، علاوہ ازیں دختر رسول حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابو العاص بن الربیع رضی اللہ عنہ کے ساتھ شفقت نبوی کے واقعہ کو بھی قارئین نے ملاحظہ فرمایا اور طائف کے مشہور واقعہ پر بھی مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے، ان واقعات میں نبی اکرم ﷺ -فداہ ابی وامی- ﷺ کے اعلی کردار واخلاق، شفقت ورحمت اور رافت ومودت کی ایک جھلک ہے۔ اب اس شمارہ میں اس مضمون کی تیسری قسط ملاحظہ فرمائیں۔

ان آیات میں اللہ تعالی نے نبی ﷺ کو تسلی دی ہے کیونکہ آپ قوم قریش پر حد درجہ افسوس کرتے تھے، آپ ان کے اسلام لانے کی شدید خواہش رکھتے تھے، اور ان پر عذاب الیم سے ڈرتے تھے، ادھر اللہ تعالی کی حکمت یہ چاہتی تھی کہ قوم قریش کا ایمان کسی دباؤ اور جبر واکراہ سے نہ ہو بلکہ برضا ورغبت اور ان کی مرضی سے ہو، اللہ سبحانہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿ولو شاء ربك لآمن من في الأرض كلهم جميعا، أفأنت تكره الناس حتى يكونوا مؤمنين﴾ (یونس:۹۹) اور اگر آپ کا رب چاہتا تو زمین پر رہنے والے سبھی (انس وجن) ایمان لے آتے، کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ سب کے سب مومن ہو جائیں۔

نبی ﷺ کا کام صرف یہ تھا کہ لوگوں کو تبلیغ کریں، اللہ کی وحدانیت کی دعوت دیں، ہدایت دینا تو اللہ کا کام ہے، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿ليس عليك هداهم ولكن الله يهدي من يشاء﴾ (البقرۃ:۲۷۲) آپ کے ذمہ ہدایت دینا نہیں ہے، لیکن اللہ تعالی جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

سابقہ صفحات میں طائف کا جو واقعہ بیان کیا گیا ہے، اس واقعہ میں نبی ﷺ کی رحمت وشفقت، مودت ورأفت، پیار ومحبت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس عالم پریشانی میں بھی آپ ﷺ نے ان پر بددعا نہ کی اور نہ ہی انتقام کے بارے میں سوچا، بلکہ ان کی طرف سے لہولہان کر دینے والی کرب ومصیبت پر آپ نے صبر کیا، اور ان کے لیے ہدایت کی دعا کی، زمانہ گذرتا گیا، نبی ﷺ دعوت وتبلیغ میں منہمک ہو گئے، اسلامی دعوت مکہ کی گلیوں اور فاران کی چوٹیوں سے نکل کر دور دراز کے علاقوں میں پھیلنے لگی، بادشاہوں اور امراء کو خطوط لکھے گئے، اسلامی دعوت کا دائرہ بڑھتا گیا، مکہ والے حیران وششدر تھے، پریشان ومضطرب تھے کہ اسلامی کاز روکنے کے باوجود بھی نہیں رک رہا ہے، دباؤ کی کوششیں جتنی تیز ہو رہی ہیں اتنے ہی آب

(۱) صحیح بخاری:۴۳۰۲، نیز دیکھیں سنن نسائی ۲/۱۰، ح:۶۳۷۔

وتاب کے ساتھ یہ بڑھ رہا ہے، کبھی راستے میں کانٹے بچھا کر، کبھی پتھروں سے دبا کر، کبھی تپتی ہوئی زمین پر سلا کر، کبھی آگ کے انگاروں پر لٹا کر، کبھی پھانسی کے پھندوں پر چڑھا کر، کبھی سجدہ کی حالت میں اوجھڑی پھینک کر، کبھی گھر بار اجاڑ کر اسلام کے متوالوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی انتھک سعی کی جارہی تھی۔ الغرض روزانہ نت نئے حربے استعمال کئے جاتے تھے مگر مسلمانوں کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی، حق وباطل کی اسی کشمکش میں فتح مکہ کا وقت آ گیا، فتح وکامرانی نے مسلمانوں کی قدم بوسی کی، اب حالات یکسر بدل گئے، نہ ڈر تھا نہ وحشت، نہ خوف نہ دہشت، نہ ظلم نہ عداوت، نہ تعدی نہ بربریت۔

''فتح مکہ'' ایک فیصلہ کن معرکہ تھا، جس نے بت پرستی کا کام کردیا، اور سارے عرب کے لیے حق وباطل کی پہچان ثابت ہوا، اس کی وجہ سے ان کے شبہات جاتے رہے، اس لیے اس کے بعد انہوں نے بڑی تیزی سے اسلام قبول کیا۔

عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ ایک چشمے پر آباد تھے، جو لوگوں کی گذرگاہ تھا، ہمارے یہاں سے قافلے گذرتے رہتے تھے، اور ہم ان سے پوچھتے رہتے تھے کہ لوگوں کا کیا حال ہے؟ اس آدمی - یعنی نبی ﷺ - کا کیا حال ہے؟ اور کیسا ہے؟ لوگ کہتے: ''وہ سمجھتا ہے کہ اللہ نے اسے پیغمبر بنایا ہے، اس کے پاس وحی بھیجی ہے، اللہ نے یہ اور یہ وحی کی ہے۔ میں یہ بات یاد کرلیتا تھا، گویا وہ میرے سینے میں چپک جاتی تھی اور عرب حلقہ بگوش اسلام ہونے کے لیے فتح مکہ کا انتظار کررہے تھے، کہتے تھے ''اسے اور اس کی قوم کو پنجہ آزمائی کے لیے چھوڑ دو، اگر وہ اپنی قوم پر غالب آ گیا تو سچا نبی ہے، چنانچہ جب فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا تو ہر قوم نے اپنے اسلام کے ساتھ (مدینہ کی جانب) پیش رفت کی، اور میرے والد بھی میری قوم کے اسلام کے ساتھ تشریف لے گئے، اور جب (خدمت نبوی سے) واپس آئے تو فرمایا:

جئتكم – والله – من عند رسول الله ﷺ حقا، فقال: صلوا صلاة كذا في حين كذا، وصلاة كذا في حين كذا، فإذا حضرت الصلاة فليؤذن أحدكم وليؤمكم أكثركم قرآنا۔ (۱)

میں تمہارے پاس - اللہ کی قسم - ایک نبی برحق کے پاس سے آرہا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: فلاں نماز فلاں وقت پڑھو، اور فلاں نماز فلاں وقت پڑھو، اور جب نماز کا وقت ہوجائے تو تم میں سے ایک آدمی اذان کہے اور جسے قرآن زیادہ یاد ہو، وہ امامت کرے۔

اس حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ فتح مکہ کا واقعہ حالات کو تبدیل کرنے میں، اسلام کو قوت بخشنے میں، اہل عرب کا موقف متعین کرانے میں اور اسلام کے سامنے انہیں سپر انداز کرنے میں کتنے گہرے، اور دوررس اثرات رکھتا تھا، یہ کیفیت غزوہ تبوک کے بعد پختہ سے پختہ تر ہوگئی، اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ان دو برسوں (۹ اور ۱۰ ہجری) میں مدینہ آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، اور لوگ اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہورہے تھے۔ (۲) ﴿إذا جاء نصر الله والفتح، ورأيت

(۲) الرحیق المختوم ص ۵۹۶۔

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۴۸۲۵۔ (۲) صحیح بخاری: ۸۱۷، مسلم: ۸۴۸۔

الناس يدخلون في دين الله أفواجا، فسبح بحمد ربك واستغفره، انه كان توابا﴾ (النصر:۱-۳) (اے میرے نبی) جب اللہ کی مدد آ گئی، اور مکہ فتح ہو گیا، اور آپ لوگوں کو دیکھ رہے ہیں وہ گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو آپ اپنے رب کی پاکی بیان کیجئے، اس کی حمد وثنا کیجئے، اور اس سے مغفرت طلب کیجئے، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اس سورت میں نبی کریم ﷺ کے لیے ایک خوش خبری ہے، اور جب وہ خوش خبری ظاہر ہو جائے تو رسول اللہ ﷺ کے لیے ان کے رب کی طرف سے ایک حکم ہے، ایک بات کی طرف اشارہ ہے اور ایک تنبیہ ہے۔

خوش خبری یہ ہے کہ اللہ اپنے رسول (ﷺ) کی مدد کرے گا، مکہ فتح ہوگا، اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوں گے، حکم یہ ہے کہ آپ نعمتوں پر اپنے رب کا شکر ادا کریں، اس کی پاکی اور حمد وثنا بیان کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں، اسی میں دو اشارے ہیں: ایک یہ کہ اللہ تعالی دین اسلام کی ہمیشہ مدد کرتا رہے گا، اور اس کا شکر ادا کرنے اور اس کی حمد وثنا میں لگے رہنے سے ان کی نصرت وتائید میں اضافہ ہوتا رہے گا، اور تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمان کتاب وسنت کی راہ پر گامزن رہے، ان کو اللہ کی نصرت وتائید ہمیشہ حاصل ہوتی رہی، یہاں تک کہ اسلام دنیا کے کونے کونے تک پہنچ گیا، دوسرا اشارہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کا وقت قریب آ چکا ہے۔(۱)

اور تنبیہ یہ ہے کہ چونکہ دنیا سے آپ کے رخصت ہونے کا وقت قریب ہو چکا ہے اس لیے آپ کو چاہئے کہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اس کی یاد میں لگائیں تا کہ عمر کا آخری حصہ اس کی یاد میں گذرے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ سورۃ النصر کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ ہر نماز میں "سبحانك ربنا وبحمدك، اللهم اغفر لي" پڑھتے تھے۔(۲)

۵-امت پر نبی ﷺ کی رحمت وشفقت:

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے سورہ ابراہیم میں اللہ رب العالمین کے اس فرمان کی تلاوت کی۔ ﴿رب انهن أضللن كثيرا من الناس فمن تبعني فإنه مني﴾ (ابراہیم:۳۶) اے میرے رب ان بتوں نے بہتوں کو گمراہ کیا ہے پس جو شخص میری اتباع کرے گا، وہ بیشک مجھ میں سے ہوگا۔

عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی قوم کے بارے میں دعا فرمائی: ﴿إن تعذبهم فإنهم عبادك وإن تغفر لهم فإنك أنت العزيز الحكيم﴾ (المائدہ:۱۱۸) (اے اللہ) اگر تو انہیں عذاب دے دے، تو بے شک وہ تیرے ہی بندے ہیں، اور اگر تو انہیں معاف کر دے گا تو تو یقیناً زبردست بڑی حکمتوں والا ہے۔

ان دونوں آیتوں کی تلاوت کرنے کے بعد نبی ﷺ نے اپنا ہاتھ اٹھایا، اور بہت شفقت ورحمت سے کہا: اللهم

(۲) صحیح مسلم:۲۰۲۔

أمتي أمتي اے اللہ، میری امت، میری امت، یہ کہہ کر کے آپ ﷺ رونے لگے تو اللہ تعالی نے فرمایا: اے جبریل محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ (اور تیرا رب زیادہ جاننے والا ہے) اور پوچھو کہ آپ کیوں رورہے ہیں؟ جبریل علیہ السلام آئے، اور ان سے پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے جو کہا تھا، وہ بتلایا (حالانکہ جبریل علیہ السلام زیادہ جانتے تھے) تو اللہ تعالی نے کہا: اے جبریل تم محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ، اوران سے کہو: انا سنرضيك في أمتك، ولا نسوء ك۔ (۱) ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں خوش کردیں گے اور آپ کو تکلیف نہیں پہنچائیں گے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ایک رات نماز پڑھی تو ﴿إن تعذبهم فإنهم عبادك وإن تغفر لهم فإنك أنت العزيز الحكيم﴾ کو صبح تک پڑھتے رہے، جب صبح ہوگئی تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ اس آیت کو پڑھتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی، آپ اسی کے ساتھ رکوع کرتے رہے، اور اسی کے ساتھ سجدہ کرتے رہے تو آپ نے فرمایا: إني سألت ربي عز وجل الشفاعة لأمتي، فأعطانيها، وهي نائلة إن شاء الله لمن لا يشرك بالله شيئا. (۲) میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لیے شفاعت مانگی ہے، اس نے مجھے وہ چیز دے دی ہے، اوران شاء اللہ وہ ہر اس آدمی کو حاصل ہوگی جو کسی کو اللہ کا شریک نہیں بنائے گا۔

قیامت کا دن بہت ہی خوفناک اور دہشت ناک ہوگا، لوگ بہت زیادہ گھبرائے اور ڈرے ہوں گے، ان کی ہولناکیاں دیکھ کر لوگوں کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، یہ وہ دن ہوگا جس دن ﴿يوم يفر المرء من أخيه، وأمه وأبيه، وصاحبته وبنيه﴾ (عبس: ۳۴-۳۶) آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں اور باپ سے، اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا، ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایسی فکر دامن گیر ہوگی جو اس کے لیے کافی ہوگی۔

﴿يوم تكون السماء كالمهل، وتكون الجبال كالعهن، ولا يسئل حميم حميما، يبصرونهم، يود المجرم لو يفتدي من عذاب يومئذ ببنيه، وصاحبته وأخيه، وفصيلته التي تؤيه، ومن في الأرض جميعا ثم ينجيه، كلا إنها لظى، نزاعة للشوى، تدعو من أدبر وتولى﴾ (سورۃ المعارج: ۸-۱۷) جس دن آسمان مثل تیل کی تلچھٹ کے ہوجائے گا، اور پہاڑ مثل رنگین اون کے ہوجائیں گے، اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا (حالانکہ) ایک دوسرے کو دکھا دیئے جائیں گے، گناہ گار اس دن کے عذاب کے بدلے فدیہ میں اپنے بیٹوں کو، اپنی بیوی کو، اور اپنے بھائی کو، اور اپنے کنبے کو جو اسے پناہ دیتا تھا اور روئے زمین کے سب لوگوں کو دینا چاہے گا تاکہ یہ اسے نجات دلا دیں (مگر) ہرگز یہ نہ ہوگا، یقیناً وہ شعلہ والی آگ ہوگی، جو منہ اور سر کی کھال کھینچنے والی ہے، وہ ہر اس شخص کو پکارے گی جو پیچھے ہٹتا

(۳) احمد: ۱۴۹/۵، یہ روایت ضعیف ہے، امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر ج ا ص ۱۸۱ میں اس کے کئی طرق اور شواہد بیان کئے ہیں، جس کی وجہ سے یہ روایت قابل اعتبار ہے، نیز دیکھیں: الفتح الربانی للساعاتی (۱۳۶/۱۸)

اور منہ موڑتا ہے، ﴿یوم ترونها تذهل كل مرضعة عما أرضعت وتضع كل ذات حمل حملها وترى الناس سكارى وما هم بسكارى، ولكن عذاب الله شديد﴾ (الحج:۲) جس دن تم اسے دیکھ لوگے ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی، اور تمام حمل والیوں کے حمل گر جائیں گے اور تو دیکھے گا کہ لوگ مدہوش دکھائی دیں گے، حالانکہ درحقیقت وہ متوالے نہ ہوں گے، لیکن اللہ کا عذاب ہی سخت ہے۔

اس سخت اور پریشانی کے دن جس دن بچے بوڑھے نظر آئیں گے، نفسی نفسی کا عالم ہوگا، کوئی ایک دوسرے کا پرسان حال نہ ہوگا، نبی آخر الزماں محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ کی رحمت وشفقت جوش میں آئے گی، آپ اپنی امت کے لیے اللہ رب العالمین سے سفارش کریں گے، جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، نبی ﷺ فرماتے ہیں:

میں قیامت کے دن سب لوگوں کا سردار رہوں گا، کیا تم جانتے ہو کہ ایسا کیوں ہوگا؟ اللہ تعالی قیامت کے دن تمام لوگوں کو ایک کھلے میدان میں جمع کرے گا جہاں ایک منادی (پکارنے والا) کی آواز کو سب سن سکیں گے، اور سب کو بیک نظر دیکھا جا سکے گا، سورج قریب آجائے گا، لوگوں کے غم اور صدمہ کا یہ عالم ہوگا کہ وہ بے بس ہو جائیں گے اور اپنی پریشانیوں کو برداشت نہیں کر سکیں گے، چنانچہ وہ ایک دوسرے سے کہیں گے، کیا تم دیکھتے نہیں کہ ہم سب کی کیا حالت ہو رہی ہے؟ کیا تم دیکھتے نہیں کہ ہماری پریشانی کا عالم کیا ہے؟ تو کیا تم ایسے شخص کو ڈھونڈھتے نہیں جو تمہارے رب کے یہاں تمہارے حق میں شفاعت (سفارش) کرے؟ پھر وہ ایک دوسرے سے کہیں گے: چلو آدم (علیہ السلام) کے پاس چلتے ہیں پھر ان کے پاس جا کر ان سے کہیں گے کہ اے آدم! آپ ہمارے اور تمام انسانوں کے باپ ہیں، آپ کو اللہ تعالی نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اور آپ کے اندر اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو آپ کا سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہوں نے آپ کا سجدہ کیا، آپ اپنے رب سے ہمارے لیے سفارش کریں، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہماری پریشانی کا عالم کیا ہے، حضرت آدم علیہ السلام کہیں گے، میرا رب آج اتنا غصہ ہے کہ اس سے پہلے اس طرح کبھی غصہ نہیں ہوا اور نہ ہی پھر کبھی ہوگا، اس نے مجھے درخت کا پھل کھانے سے روکا تھا لیکن میں نے اس کی نافرمانی کی۔ آج تو مجھے اپنی ہی فکر لاحق ہے، تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، ہاں، میری رائے یہ ہے کہ تم نوح علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ، لوگ حضرت نوح.....حضرت ابراہیم.....حضرت موسی.....اور حضرت عیسی (علیہم السلام) کے پاس آئیں گے، ان میں سے ہر ایک معذرت کرے گا، اور سب یہ کہیں گے کہ آج میرا رب اتنا غصہ ہے کہ اس سے پہلے وہ کبھی اس طرح غصہ نہیں ہوا تھا، اور نہ کبھی اس کے بعد اس طرح غصہ ہوگا۔ آج مجھے خود اپنی فکر ہے۔ پھر عیسی علیہ السلام کہیں گے کہ میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، تم محمد (ﷺ) کے پاس چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ میرے پاس آئیں گے اور کہیں گے:

اے محمد (ﷺ) آپ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں، اور آپ کی اگلی پچھلی خطائیں اللہ تعالی نے معاف کر دی ہیں۔ آپ اپنے رب کے یہاں شفاعت کریں۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہماری حالت کیا ہو رہی ہے؟ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ

(۱) صحیح بخاری: ۳۳۴۰، ۳۳۶۱، ۴۷۱۲، مسلم: ۱۹۴۔

ہماری پریشانی کا عالم کیا ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میں چل پڑوں گا، اور عرش کے نیچے آ کر اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ پھر اللہ تعالی میرے اوپر شرح صدر کرے گا اور مجھے اپنی حمد وثنا کے لیے ایسے ایسے الفاظ الہام کرے گا جو مجھ سے پہلے کسی پر الہام نہیں کیا تھا۔ پھر کہے گا: "یا محمد ! ارفع رأسك، سل تعطه، واشفع تشفع" اے محمد اپنا سر اٹھاؤ، اور سوال کرو، آپ کا مطالبہ پورا کیا جائے گا۔ اور آپ سفارش کریں آپ کی سفارش قبول کی جائے گی، چنانچہ میں اپنا سر اٹھاؤں گا، اور کہوں گا: "یا رب، أمتي أمتي" اے میرے رب! میری امت (کو معاف کردے) میری امت (کو جہنم سے بچالے)۔

کہا جائے گا: "ادخل الجنة من أمتك من لا حساب عليه من الباب الأيمن من أبواب الجنة وهم شركاء الناس فيما سوى ذلك من الأبواب"۔

اے محمد! اپنی امت کے ہر اس شخص کو جو حساب وکتاب سے مستثنی ہے، جنت کے دائیں دروازے سے جنت میں داخل کردیں، یہ لوگ جنت کے باقی دروازوں سے بھی داخل ہو سکتے ہیں۔

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، بیشک جنت کے ہر دو کواڑوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوگا جتنا مکہ مکرمہ اور ہجر کے درمیان، یا مکہ مکرمہ اور بصری کے درمیان ہے۔ (بخاری کی روایت میں مکہ مکرمہ اور حمیر کا ذکر ہے) (۱)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ لوگ قیامت کے دن گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔ ہر امت اپنے نبی کے پیچھے جائے گی، اور کہے گی: اے فلاں! شفاعت کریں، اے فلاں شفاعت کریں، یہاں تک کہ شفاعت کے لیے محمد ﷺ سے کہا جائے گا، اور یہی وہ دن ہے، جب اللہ تعالی آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا۔ (۲)

اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مجھے کہا جائے گا: انطلق، فمن كان في قلبه مثقال حبة من برة أو شعيرة من إيمان، فاخرجه منها۔ جائیں اور دیکھیں جس شخص کے دل میں گندم یا جو کے دانے کے برابر ایمان ہو اسے جہنم سے نکال لیں۔ چنانچہ میں جاؤں گا، اور اسی طرح کروں گا۔ پھر اپنے رب کے پاس لوٹوں گا، اور اس کی تعریفیں کروں گا، پھر اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ پھر مجھے کہا جائے گا:

يا محمد، ارفع رأسك، وقل يسمع لك، وسل تعط، واشفع تشفع.

اے محمد! اپنا سر اٹھائیں، اور بات کہیں آپ کی بات سنی جائے گی، آپ سوال کریں، آپ کا سوال پورا کیا جائے گا، اور

(۲) صحیح بخاری: ۴۷۱۸۔

(۱) صحیح مسلم: ۱۹۳۔

آپ شفاعت کریں، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

چنانچہ میں کہوں گا: "یا رب ! أمتي أمتي" اے میرے رب! میری امت، میری امت۔

تب مجھے کہا جائے گا: "انطلق، فمن كان في قلبه مثقال حبة من خردل من إيمان فأخرجه منها. جائیں، اور دیکھیں جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو، اسے جہنم سے نکال لیں۔

لہذا میں جاؤں گا، اور اسی طرح کروں گا، پھر اپنے رب تعالی کے پاس واپس لوٹوں گا اور اس کی تعریفیں کروں گا، پھر اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤں گا، پھر مجھے کہا جائے گا:

"يا محمد ! ارفع رأسك، وقل يسمع لك، وسل تعط، واشفع تشفع".

اے محمد! اپنا سر اٹھائیں، اور بات کریں، آپ کی سنی جائے گی، آپ سوال کریں، آپ کا سوال پورا کیا جائے گا، اور آپ شفاعت کریں، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

چنانچہ میں کہوں گا: "یا رب ! أمتي، أمتي" اے میرے رب! میری امت، میری امت۔

تو مجھ سے کہا جائے گا: "انطلق، فمن كان في قلبه أدنى أدنى أدنى من مثقال حبة من خردل من إيمان، فأخرجه من النار".

جائیں اور دیکھیں جس شخص کے دل میں رائی کے دانے سے بھی کم، اور اس سے بھی کم، اور اس سے بھی کم ایمان ہو، اسے جہنم سے نکال لیں، اس لیے میں جاؤں گا، اور اسی طرح کروں گا، پھر اپنے رب تعالی کے پاس واپس لوٹوں گا، اور اس کی تعریفیں کروں گا، پھر اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤں گا، پھر مجھے کہا جائے گا: "یا محمد ! ارفع رأسك، وقل يسمع لك، وسل تعط، واشفع تشفع" اے محمد! اپنا سر اٹھائیں، اور بات کریں، آپ کی سنی جائے گی، آپ سوال کریں، آپ کا سوال پورا کیا جائے گا، اور آپ شفاعت کریں، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

چنانچہ میں کہوں گا: مجھے ہر اس شخص کے بارے میں شفاعت کرنے کی اجازت دیں جس نے (لا الہ الا اللہ) پڑھا، اللہ تعالی کہے گا: اس کا آپ کو اختیار نہیں لیکن میری عزت کی قسم! میری بڑائی کی قسم! میری عظمت کی قسم! اور میری جبریائی کی قسم! میں ضرور بہ ضرور اس شخص کو جہنم سے نکال دوں گا، جس نے (لا الہ الا اللہ) پڑھا۔(۱)

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"أما أهل النار الذين هم أهلها، فإنهم لا يموتون فيها ولا يحيون" رہے جہنم والے جو کہ اس کے اہل ہیں تو وہ جہنم میں نہ مریں گے اور نہ زندہ رہیں گے۔

لیکن کچھ لوگ ایسے ہوں گے جنہیں ان کی گناہوں کے سبب جہنم میں ڈالا گیا ہوگا، انہیں اللہ تعالی مار دے گا یہاں تک

کہ جب وہ (جہنم کی آگ میں جلتے جلتے) کوئلہ بن چکے ہوں گے تو اللہ تعالی ان کے متعلق شفاعت کرنے کی اجازت دے گا، چنانچہ انہیں جماعت در جماعت لایا جائے گا، اور جنت کی نہروں میں ڈال دیا جائے گا، پھر کہا جائے گا: اے اہل جنت! ان پر پانی بہاؤ، اس کے بعد وہ ایسے (تیزی سے) اگیں گے، جیسے سیلاب کی جھاگ اور مٹی میں دانہ تیزی سے اگتا ہے۔(۱)

ان احادیث میں نبی ﷺ کی امت کے لیے شفقت ورحمت کے ساتھ ساتھ، آپ کی فضیلت کا بیان ہے کہ قیامت والے دن، جب کہ جلیل القدر پیغمبروں کو بھی بارگاہ الٰہی میں سفارش کرنے کی ہمت نہیں ہوگی، نبی ﷺ اللہ کے حکم سے سفارش فرمائیں گے۔ ایک سفارش تو یہ ہوگی کہ اللہ تعالی لوگوں کا فیصلہ جلد کردے اور یہی مقام محمود ہے جس کا اللہ تعالی نے آپ کو دینے کا وعدہ فرمایا ہے، دوسری سفارش اپنی امت کے حق میں فرمائیں گے، یہ مختلف مرحلوں میں ہوگی۔

۱- جس میں آپ ﷺ کی سفارش پر اللہ تعالی ان لوگوں کو جنت میں لے جانے کی اجازت مرحمت فرمائے گا، جن کا حساب نہ ہوگا، ان کی تعداد ستر ہزار ہوگی۔

۲- جب گناہ گار اہل ایمان جہنم میں اپنے گناہوں کی کافی سزا بھگت چکے ہوں گے تو پھر نبی ﷺ کی سفارش سے انہیں جہنم سے نکال کر جنت میں داخل فرمایا جائے گا۔

۳- آپ ان لوگوں کے لیے بھی سفارش کریں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی۔ پھر آپ کی سفارش پر انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔

۴- آپ کچھ لوگوں کے لیے بلندی درجات کی دعا کریں گے، جو کہ ان کے اعمال کے ثواب سے زیادہ ہوگا۔

۵- آپ اپنے چچا ابوطالب کا عذاب ہلکا ہونے کے لیے اللہ تعالی سے سفارش کریں گے۔

۶- نبی کریم ﷺ کی تمام مومنین کے بارے میں سفارش کہ اللہ تعالی انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت عطا فرمائے۔(۲)

نبی کریم ﷺ کی غایت درجہ کی شفقت ورحمت کا نمونہ اس حدیث میں بھی ملاحظہ فرمائیے۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اور تمہاری مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے آگ جلائی تو پتنگے اور پروانے اس میں گرنے لگے، اور وہ ان کو اس آگ سے دور ہٹاتا رہا، میں بھی تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تمہیں جہنم کی آگ سے بچا رہا ہوں، لیکن تم میرے ہاتھوں سے چھوٹ کر نار جہنم میں گرتے جاتے ہو۔(۳)

(جاری)

☆☆☆

(۱) صحیح مسلم: ۱۸۵۔ (۲) شرح العقیدۃ الطحاویۃ: ۱/۲۹۰۔

ماہ صفر سے بدشگونی لینا

عبدالسلام صلاح الدین مدنی

حیف صد حیف فی زماننا امت اسلامیہ میں بدعت اس طرح سرایت کرگئی ہے کہ ہر ماہ میں کچھ نہ کچھ ایسے امور نظر آنے لگتے ہیں، جن کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ چنانچہ امت مسلمہ کا ایک طبقہ صفر کو منحوس سمجھتا ہے، نہ اس ماہ میں وہ سفر کرتے ہیں، نہ نکاح ہوتا ہے اور نہ ولیمہ کیا جاتا ہے، حالانکہ سارے ماہ اللہ تعالی کے بنائے ہوئے ہیں، کسی ماہ کو منحوس سمجھنا درحقیقت اللہ تعالی کی ذات والا صفات اور شریعت اسلامیہ پر اعتراض کرنے کے مترادف ہے۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ کی اس سلسلہ میں واضح ہدایت موجود ہے، فرمان رسالت مآب ہے: "لا عدوی ولا طیرة ولا هامة ولا صفر"۔ (بخاری برقم: ۵۷۵۷)

امام ابن القیم- رحمہ اللہ- فرماتے ہیں: ''اس سے مراد یا تو نفی ہے یا نہی وممانعت، یعنی کسی کو منحوس مت گردانو، لیکن سیاق یہ بتلاتا ہے کہ اس حدیث میں وارد "لا عدوی ولا طیرة ولا هامة" سے مراد نفی ہے، اور زمانۂ جاہلیت میں جس سے لوگ پریشان تھے، اس کا ابطال مطلوب ہے، اور یہاں ''نفی'' نہی سے زیادہ مؤثر ہے، کیونکہ نفی اس کے باطل تر ہونے، اور عدم تاثیر کی دلیل ہے، جبکہ ''نہی'' صرف ممانعت کی دلیل ہے۔ (مفتاح دار السعادۃ: ۲/۲۳۴)

بہتیرے جاہل عوام روشنی اور علم وفن کے اس دور میں بھی اس ماہ میں سفر نہیں کرتے، حتی کہ بعض جاہل تو یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ: بعض عارفین نے بتلایا ہے کہ پورے سال میں (۳۲۰) آفتوں کا نزول ہوتا ہے، اور ہر آفت ماہ صفر کے آخری بدھ کو اترتی ہے، لہذا یہ دن سال کا سب سے دشوار ترین دن ہوتا ہے، چنانچہ جس شخص نے اس دن چار رکعت پڑھی، اور ہر رکعت میں ایک بار سورہ فاتحہ، سترہ بار سورہ کوثر، پندرہ بار سورہ اخلاص، اور ایک بار معوذتین، پھر سلام پھیر کر کے نیچے آنے والی دعا کا ورد کیا، تو اللہ تعالی ہر قسم کی آفات سے اسے محفوظ رکھے گا، اور سال بھر مصیبت اس کے گرد چکر نہیں مار سکتی، دعا یہ ہے کہ:
''بسم اللہ کے بعد..... اللهم يا شديد القوة يا شديد المحال، يا عزيز، يا من ذلت لعزتك جميع خلقك، اكنفني من شر خلفك، يا محسن، يا مجمل، يا متفضل، يا منعم، يا متكرم، يا من لا إله إلا أنت، ارحمني برحمتك، يا أرحم الراحمين، اللهم بسر الحسن وأخيه وجده وأمه وبنيه، اكفني شر هذا اليوم وما ينزل فيه، يا كافي المهمات ويا دافع البليات، فسيكفيكهم الله وهو السميع العليم، وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين"۔ (دیکھئے: روی الظمآن فی فضائل الاشہر والایام، ص: ۴)

آپ اس مبتدعانہ دعا کو پڑھئے اور غور فرمائیے کہ:

☆ کیا نبی کریم ﷺ نے اس دعا کے پڑھنے کی تعلیم دی ہے؟ اور خود آپ ﷺ نے (جو بلاشبہ امت اسلامیہ کے بہترین رہنما اور اسوہ تھے) اس دعا کا ورد کبھی کیا؟ اگر آپ ﷺ کا یہ عمل رہا تو کتب احادیث، دواوین ادعیہ واذکار اس دعا سے کیوں خالی ہیں؟

☆ کیا نبی اکرم ﷺ کے مدرسۂ نبوت کے فارغین اس دعا سے نابلد تھے؟ یا ان میں سے کسی نے بھی اس دعا کا ورد کیا؟
☆ پھر ایک لمحہ کے لیے اس امر پر بھی غور فرمالیں کہ (۳۲۰) بار کی تعداد کس نے متعین کی؟ پھر یہ بھی ذرا سوچیں کہ کس کتاب میں مذکور ہے کہ اسی کی بقدر مصائب نازل ہوتی ہیں؟ یا صرف یہ ایک اٹکل پچو بات ہے، حقائق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں لوگ ماہ صفر کو منحوس گردانتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ منحوس مہینہ ہے، اس لیے نبی کریم ﷺ نے اس عقیدہ کو باطل قرار دیا۔ (ابوداود، برقم: ۳۹۱۴) چونکہ زمانۂ جاہلیت میں بھی لوگ ماہ شوال کو بھی منحوس مانتے تھے، اس میں نکاح وغیرہ کا انعقاد نہیں ہوا کرتا تھا، اسی لیے نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ- رضی اللہ عنہا- سے اپنا نکاح ماہ شوال میں اور رخصتی بھی ماہ شوال میں کیا اور اس باطل، غلط اور مبتدعانہ رسم کا بیخ وبن اکھاڑ پھینکا۔

حافظ ابن رجب- رحمہ اللہ- فرماتے ہیں: ''(ولا صفر) سے ماہ صفر مراد لینا زیادہ قرین قیاس ہے، اور ماہ صفر کو منحوس قرار دینا اس نحوست کی جنس سے ہے جو ممنوع ہے، اسی طرح کسی دن سے بدفالی لینا، بدھ کے دن سے بدفالی لینا، یا زمانۂ جاہلیت والوں کا خصوصی طور پر ماہ شوال میں نکاح کی بدفالی اور شگون بد لینا''۔ (لطائف المعارف لابن رجب، ص: ۷۴)

الغرض بدفالی ایک شرک آمیز بدعت ہے جس میں عام طور پر امت اسلامیہ ملوث ہے، حالانکہ نبی کریم ﷺ نے اس کو شرک قرار دیا، آپ ﷺ کا فرمان عالی ملاحظہ فرمائیں: "لا عدوى ولا طيرة ويعجبني الفال، قالوا: وما الفأل؟ قال: الكلمة الطيبة" (بخاری برقم: ۵۷۷۶، مسلم برقم: ۲۲۲۴)

نیز فرمایا: "الطيرة شرك والطيرة شرك وما منا الا، ولكن يذهبه الله بالتوكل"۔ (ابن ماجہ برقم: ۳۵۳۸)
یہ حدیث صراحتاً اس بات کی دلیل ہے کہ نحوست شرک ہے۔

مزید آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "من ردته الطيرة عن حاجته فقد أشرك، قالوا: وما كفارة ذلك؟ قال: "أن تقول: اللهم لا خير إلا خيرك ولا طير إلا طيرك"۔ (احمد: ۲/۲۲۰)

ان سب نصوص سے معلوم ہوا کہ بدفالی لینا شریعت اسلامیہ میں شرک آمیز بدعت ہے، جو درحقیقت اللہ تعالی کے ساتھ بدگمانی اور تقدیر الٰہی سے ناراضگی اور اللہ تعالی کی لکھی ہوئی تقدیر سے جز بز ہونے کے مترادف ہے، بدفالی لینے والے کے دل میں اللہ کا خوف نہیں بلکہ غیر اللہ کا خوف رچا بسا ہوتا ہے، وہ اللہ پر نہیں، بلکہ دوسرے پر توکل کرتا ہے۔

اسے امت اسلامیہ کا دین سے دوری کا نتیجہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت کا یہ باطل عقیدہ مسلمانوں میں مقام پا گیا کہ وہ اسے منحوس سمجھ بیٹھے، اس میں نہ کوئی تقریب منعقد کرتے ہیں نہ شادی بیاہ رچاتے بساتے ہیں، اور نہ ہی کوئی اور دوسرا کام، جیسے ہی یہ اپنے اختتام کو پہنچنے لگتا ہے، تقریبات کا ازدحام شروع ہوجاتا ہے، شادیوں کا سلسلہ دراز سے دراز ہوجاتا ہے۔

☆☆☆

تصورآخرت کے نقلی وعقلی دلائل قرآن کی روشنی میں

عبدالسمیع محمد ہارون انصاری سلفی
بھوارہ، مدھوبنی، بہار

عقیدۂ آخرت مذہب اسلام کے اہم بنیادی عقائد میں سے ایک ہے، اس کے انکار سے انسان اسلام سے خارج ہوجاتا ہے، جس طرح اسلام کے دیگر عقائد وتعلیمات کے دوررس اثرات مرتب ہوتے ہیں، عقیدۂ آخرت کے بھی بلاشبہ دوررس اور ہمہ جہت اثرات ونتائج مرتب ہوتے ہیں، ذیل میں چند قرآنی آیات کے حوالے سے عقیدۂ آخرت پر ایمان وتسلیم کے دوررس اوروقیع اثرات کی تفصیل بیان کی جارہی ہے:

(۱) صبروصلوۃ اسلامی تربیت اورتزکیہ نفس میں اہم کردارادا کرتی ہے، قرآن میں اس بابت کئی ایک آیات ہیں، مثلا اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: ﴿واستعينوا بالصبر والصلاة وانها لكبيرة الا على الخاشعين الذين يظنون أنهم ملاقوا ربهم فانهم إليه راجعون﴾ (۲/۴۵-۴۶) یعنی صبراورنماز کے ساتھ مدد طلب کرو، یہ بڑی چیز ہے، مگر ڈر رکھنے والوں پر، جو جانتے ہیں کہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے اوراس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

حافظ صلاح الدین یوسف صاحب حفظہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں: صبراورنماز ہراللہ والے کے دو بڑے ہتھیار ہیں، نماز کے ذریعے سے ایک مومن کا تعلق اللہ تعالی سے استوار ہوتا ہے، جس سے اسے اللہ کی تائید ونصرت حاصل ہوتی ہے، صبر کے ذریعہ سے کردار کی پختگی اوردین میں استقامت حاصل ہوتی ہے، (صبراور) نماز کی پابندی عام لوگوں کے لیے گراں ہے، لیکن خشوع وخضوع کرنے والوں کے لیے یہ آسان، بلکہ اطمینان وراحت کا باعث ہے، یہ کون لوگ ہیں؟ وہ جو قیامت پر پورا یقین رکھتے ہیں، گویا قیامت پر یقین اعمال خیر کو آسان کردیتا اورآخرت سے بےفکری (یا انکار) انسان کو بےعمل بلکہ بدعمل (بلکہ جانور سے بھی بدتر) بنادیتی ہے''۔

(۲) عقیدۂ آخرت کے سبب ایک مومن زندگی کی کٹھن گھڑیوں میں اورسخت ناموافق حالات میں بھی ان سے نبردآزما ہوتا ہے، قرآن میں ہے: ﴿كم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة بإذن الله والله مع الصابرين﴾ (۲/۲۴۹) اللہ تعالی کی ملاقات پر یقین رکھنے والوں نے کہا بسا اوقات چھوٹی اورتھوڑی سی جماعتیں بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پالیتی ہیں، اللہ تعالی صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔ اس آیت میں ہرچند کہ ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ بنواسرائیل کی ایک چھوٹی سی جماعت ایک بڑی جماعت کے مدمقابل ہوئی، اس مشکل گھڑی میں اللہ پر ایمان رکھنے والے عقیدۂ آخرت پر یقین رکھنے والے اس اذعان وایقان کے ساتھ اس سے نبردآزما ہوجاتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے، حق کی خاطر جنگ میں فتح ہو کہ شکست دونوں حالات میں مومن کے لیے بہتری کا وعدہ ہے اور بحیثیت مجموعی اس جہاد کا لازمی اور برحق نتیجہ آخرت میں ابدی عیش وعشرت کی زندگی ہے، ظاہر ہے جب یہ فکروخیال دل ودماغ میں بس جائے تو آدمی کا حوصلہ کبھی نہیں ٹوٹتا ہے، اور مشکل ترین حالات میں بھی اس کے قدم قطعا نہیں ڈگمگاتے۔

(۳) نفاق ان بدترین خصائل میں سے ایک ہے جس کے تعلق سے قرآن میں شدید وعید اور تہدید بیان ہے، ایسی بدترین خصلت کا حامل دراصل اس کافر ومشرک سے کہیں بدتر ہے جو کھل کر کفر وشرک کرتا ہے، ظاہر ہے کہ ایسے میں کفر وشرک کے انجام سے بڑھ کر بدتر انجام منافق کا ہوگا، قرآن اس انتہائی مذموم ترین خصلت کی دوا، اور اس سے نجات وشفا کے لیے جو راہ بتاتا ہے ان میں سے ایک اہم اسی عقیدۂ آخرت پر ایمان ویقین ہے، اللہ نے فرمایا: "واعلموا أن الله يحول بين المرء وقلبه وانه إليه تحشرون" (۸/۲۴) اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے اور تم اسی کی طرف سمیٹے جاؤ گے"۔ یہاں اللہ تعالی نے منافقین کو بالخصوص اور انسانوں کو بالعموم خطاب کیا ہے اور دو باتوں کی طرف متوجہ کیا ہے کہ اس بات کو یقین جانو کہ اللہ وہ ہے جو انسان کی ہر حرکت وعمل حتی کہ دل کے خیالات وافکار سے بھی واقف ہے، اس لیے منافق اگر دنیا والوں کی نظر میں خود کو مومن اور حقیقت میں منافق بن کر اپنے غلط مقاصد کی تکمیل کر یں لیکن اللہ علیم بذات الصدور کو وہ دھوکا قطعا اور کبھی بھی نہیں دے سکتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ منافق اپنے اس دوہرے رویہ سے بظاہر دنیا میں خواہ جس طرح سے بھی اپنے مقاصد کی تکمیل کر لیں لیکن آخرت میں بہر حال اس کے اس مذموم خصلت کا بدترین انجام بھگتنا ہوگا، درحقیقت انسان اگر اس دو بنیادی باتوں کو سمجھ لے اور یقین کر لے تو وہ اس بدترین خصلت بلکہ دیگر بہت سی معصیتوں اور برائیوں سے باز آجائے گا، قرآن میں اللہ تعالی اس مہلک ترین صورت حال اور معاصی سے بچنے کے لیے جابجا ان دو بنیادی اسلامی عقائد کا ذکر کرتا ہے تا کہ وہ ان پر ایمان لا کر نجات پا سکیں۔

(۴) اللہ نے سورہ توبہ میں ایک جگہ ارشاد فرمایا: فرح المخلفون بمقعدهم خلاف رسول الله وكرهوا أن يجاهدوا بأموالهم وأنفسهم في سبيل الله وقالوا لا تنفروا في الحر قل نار جهنم أشد حرا لو كانوا يفقهون" (۹/۸۱) "جن لوگوں کو پیچھے رہنے کی اجازت دی گئی تھی وہ اللہ کے رسول کا ساتھ نہ دینے اور گھر بیٹھے رہنے پر خوش ہوئے اور انہیں گوارا نہ ہوا کہ اللہ کی راہ میں جان ومال سے جہاد کریں، انہوں نے لوگوں سے کہا کہ اس سخت گرمی میں نہ نکلو، ان سے کہو کہ جہنم کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے، کاش انہیں اس کا شعور ہوتا"۔ اس آیت میں دراصل اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب غزوۂ تبوک جیسے انتہائی اہم غزوہ کے موقع پر کچھ لوگ نبی ﷺ کے پاس آتے ہیں (یہ دراصل وہ منافق لوگ تھے جو بہ ظاہر مومن اور بہ باطن کافر بلکہ سخت دشمن اسلام تھے) یہ لوگ نبی ﷺ سے عذر پیش کرتے ہیں، جہاد میں جانے سے بچنے کے لیے اپنے مسائل اور تکالیف کا ذکر کرتے ہیں، نبی ﷺ نے انہیں جہاد میں نہ جانے کی رخصت دے دی اور یہ لوگ مدینہ میں رہ گئے، اتنا ہی نہیں مدینہ میں آپ کے پیچھے آپ کی غیر موجودگی میں آپ کے خلاف سازشیں بھی کرنے لگے، اللہ نے اسی موقع سے یہ آیت نازل کی کہ وہ لوگ جو موسم کی شدت، گرمی کی سختی اور دیگر بہانے تلاش کر کے جہاد سے پیچھے رہ گئے، آج وہ جس گرمی کی شدت سے خوف کھاتے ہیں انہیں آخرت میں جہنم کی آگ کو بھی یاد رکھنا چاہئے، یہاں ان لوگوں کی بھی تذکیر ہے جو اسلامی تعلیمات کی بجا آوری میں مشقتوں کا رونا رو کر اعراض کرتے ہیں، انہیں آخرت میں جہنم کی تصور سے زیادہ مصیبت کو بھی یاد کر لینا چاہئے، درحقیقت جو اس عقیدے پر ایمان ویقین رکھے گا اس کے لیے دین کی راہ کے سارے دنیوی مصائب انگیز کرنا آسان تر ہے، یہ عقیدۂ آخرت کا لازمی نتیجہ ہے۔

(۵) اللہ نے فرمایا: ﴿وكذلك أخذ ربك اذا أخذ القرى وهى ظالمة ان أخذه أليم شديد، ان في ذلك لآية لمن خاف عذاب الآخرة ذلك يوم مجموع له الناس، وذلك يوم مشهود ..... الآية﴾ اور تیرا رب جب کسی ظالم بستی کو پکڑتا ہے تو پھر اس کی پکڑ ایسی ہی ہوا کرتی ہے، فی الواقع اس کی پکڑ بڑی سخت اور دردناک ہوتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس میں

ایک نشانی ہے ہر اس شخص کے لیے جو عذاب آخرت کا خوف کرے، وہ ایک دن ہوگا جس میں سب لوگ جمع ہوں گے اور پھر جو کچھ بھی اس روز ہوگا وہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہوگا، ہم اس کے لانے میں کچھ زیادہ تاخیر نہیں کررہے ہیں، بس ایک گنی چنی مدت اس کے لیے مقرر ہے، جب وہ آئے گا تو کسی کو بات کرنے کی مجال نہ ہوگی، الا یہ کہ خدا کی اجازت سے کچھ عرض کرے، پھر کچھ لوگ اس روز بد بخت ہوں گے اور کچھ لوگ نیک بخت، جو بد بخت ہوں گے وہ دوزخ میں جائیں گے (جہاں گرمی اور پیاس کی شدت سے) وہ ہانپیں گے اور پھنکار ماریں گے اور اسی حالت میں ہمیشہ رہیں گے جب تک کہ زمین وآسمان قائم ہیں، الا یہ کہ تیرا رب کچھ اور چاہے، بے شک تیرا رب جو چاہتا ہے وہ کرنے والا ہے"۔(۱۱/۱۰۲-۱۰۷)

ان آیات میں اللہ رب العزت آخرت کے تعلق سے کئی ایک بات کی طرف اشارہ کرتا ہے، مثلا یہ کہ اللہ نے دنیا میں کتنی ہی ظالم بستیوں کو ہلاک وبرباد کرا سے سامان عبرت بنا دیا، اللہ نے ان بستیوں کے باشندوں کو جن عذابوں سے دوچار کردیا وہ ان کے گناہوں اور مظالم کے سبب ہوا، اس نکتے میں آخرت کے وقوع ہونے کی جانب اشارہ ہے، گویا یہ واقعات شاہد ہیں کہ آخرت ضرور واقع ہوگی، پہلی بات تو یہ ہے کہ ان ظالموں کو اللہ نے جس عذاب وسزا سے دوچار کیا بلاشبہ وہ ان کے بے پناہ مظالم کی معمولی سزا تھی، اس لیے اس کی ہلاکت تو اصلا مظلوم کی دادرسی اور مظالم کے سیل رواں پر بند باندھنا تھا۔ ﴿ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع وصلوات .....﴾ اس لیے یہ لازمی ضرورت اور عقل وانصاف کا تقاضا ہے کہ یوم آخرت جیسا یوم مکافات اور بھرپور جزا وسزا کا دن ہو، اسی طرح یہ بھی ذہن میں رہے کہ ان ظالموں کو جس عذاب وعقاب سے دوچار ہونا پڑا ان کے ظلم میں بہت سارے وہ لوگ بھی بانی ومبانی کی حیثیت سے شریک تھے جو ان سے قبل گذر گئے مگر اپنے کئے کی سزا انہیں نہیں ملی، ایسے میں ان کے اعتبار سے ایک بھرپور یوم مکافات اور جزا وسزا کے دن کی شدید ضرورت ہے جہاں ان کی گرفت ہو، ورنہ یہ عادل وحاکم اللہ کی عظمت کے منافی ہوگا کہ ظلم کی سزا کسی کو ملے اور کسی کو نہ ملے اور جس کو ملے بھی وہ معمولی ملے، یوم آخرت کا وقوع یوں لازمی ہے، یہ عقل وانصاف اور اللہ کی حکمت اور انصاف وعدل کا عین تقاضا اور ناگزیر مطلوب ہے۔ یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ وہ لوگ جو انفرادی یا اجتماعی طور پر چھوٹے یا بڑے ظلم کرتے ہیں انہیں اب بھی عقل کے ناخن لینا اور متنبہ ہوجانا چاہئے اور ظلم سے باز آجانا چاہئے کہ اللہ بلاشبہ علیم وخبیر اور عادل ہے، اس کی پکڑ سخت ہے، اللہ نے دنیا میں ایک سے بڑھ کر ایک مضبوط قدم کو آن واحد میں زیروزبر کرکے رکھ دیا پھر اسی ذات نے یہ وعدہ کررکھا ہے کہ ہم آخرت کا دن لائیں گے اور اس دن تصور سے بھی کہیں زیادہ ابدی سزا کی دنیا میں ڈھکیل دیں گے۔

(۶) یوم آخرت بدلے کا دن ہے، وہ عقل وانصاف کا تقاضا بلکہ عین ضرورت ہے، وہ دن جس طرح بدکاروں کو ان کے کئے کی سزا ملے گی اسی طرح نیکوکاروں کو ان کی نیکی کا بدلہ ملے گا، پھر دونوں اپنے کرم اور عمل کے حساب سے تصور سے زیادہ آرام یا تکلیف کی ابدی زندگی میں داخل کردیئے جائیں گے، یہ ایمان اور یقین جس طرح ظالموں کو ان کے ظلم سے باز رکھنے میں معاون ہے اسی طرح نیکوں کو نیکی کے لیے ترغیب دینے کے لیے کافی ہے، قرآن کریم میں عقل وانصاف کے اس تقاضے کے تعلق سے کئی ایک جگہ عقلی، فکری اور منطقی انداز میں دلیلیں بھی دی گئی ہیں تاکہ مومن وکافر ہر انسان اس تعلق سے سوچیں، مومن کے ایمان میں جلا ہو تو کافر اس پر ایمان لانے کی سوچیں، قرآن کریم میں اللہ نے فرمایا: ﴿ذلكم الله ربكم فاعبدوه أفلا تذكرون، إليه مرجعكم جميعا وعد الله حقا انه يبدؤ الخلق ثم يعيده ليجزي الذين آمنوا وعملوا الصالحات بالقسط

والذين كفروا لهم شراب من حميم وعذاب أليم بما كانوا يكفرون ..... إلى قوله تعالى ..... أولئك مأواهم النار بما كانوا يكسبون﴾ (۱۰/۳-۸) یعنی یہی اللہ تمہارا رب ہے لہذا تم اسی کی عبادت کرو پھر تم کیا ہوش میں نہ آؤ گے، اسی کی طرف تم سب کو پلٹ کر جانا ہے، یہ اللہ کا وعدہ ہے، بے شک پیدائش کی ابتداء وہی کرتا ہے پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا تا کہ جولوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ان کو انصاف کے ساتھ جزا دے اور جنہوں نے کفر کیا وہ کھولتا ہوا پانی پئیں اور دردناک سزا بھگتیں اس انکار حق کی پاداش میں جو وہ کرتے رہے، وہی ہے جس نے سورج کو اجیالا بنایا اور چاند کو چمک دی اور چاند کے گھٹنے بڑھنے کی منزلیں ٹھیک ٹھیک مقرر کر دیں تا کہ تم اس سے برسوں اور تاریخوں کے حساب معلوم کرو، اللہ نے یہ سب کچھ برحق ہی پیدا کیا ہے وہ اپنی نشانیوں کو کھول کھول کر پیش کرتا ہے ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں، یقیناً رات اور دن کے الٹ پھیر میں اور ہ اس چیز میں جو اللہ نے زمین اور آسمانوں میں پیدا کی ہے، نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو (غلط بینی اور غلط روی سے) بچنا چاہتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ جولوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پر راضی اور مطمئن ہو گئے ہیں اور جولوگ ہماری نشانیوں سے ہیں ان کا آخری ٹھکانا جہنم ہوگا ان برائیوں کی پاداش میں جن کا اکتساب وہ (اپنے اس غلط عقیدے اور غلط طرز عمل کی وجہ سے) کرتے رہے''۔ ان آیات میں اللہ نے ایک ساتھ کئی ایک عقلی دلائل یوم آخرت کے وقوع اور ضرورت کے پس منظر میں پیش کر عام وخاص ہر کسی کو اس پر غور کرنے کی دعوت دی ہے۔

ان آیات میں اللہ نے توحید اور صرف اپنی عبادت کی تعلیم دی اور پھر کہا کہ آخرت آئے گی اس دن تم کو اپنے کئے کا بدلہ ملے گا، اللہ نے آگے اس کی دلیل عقلی اعتبار سے دی کہ آخرت کیوں آئے گی اور یہ کیسے ممکن ہے؟ بتایا کہ اس کا وقوع تمہارے اچھے اور برے عمل کے بھرپور بدلہ کے لیے ضروری ہے، پھر یہ عین ممکن اس لیے ہے کہ وہ اللہ جس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا (جس کو تم سب انسان، معدودے چند کے، تسلیم کرتے ہو) تو پھر وہ تم کو دوبارہ کیوں نہیں پیدا کر سکتا ہے، (اس دنیا میں مختلف ایجادات پر غور کرو، ایک عالی دماغ انسان جب کسی چیز کو ایجاد کرتا ہے تو بلاشبہ بڑی محنت سے کرتا ہے اور جب وہ اس میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر دوبارہ اس کے لیے بتانا مشکل نہیں ہوتا، اللہ کی ذات تو بلاشبہ اس سے کہیں زیادہ عظیم ہے تو پھر.....) اس کے بعد اللہ نے یوم مکافات اور روز آخرت کی ضرورت بتلائی کہ اس دنیا میں جو نیکوکار یا بدکار ہیں ان کے اپنے کیے کا بھرپور بدلہ ملے، جو اس فانی دنیا میں ممکن نہیں ہے، اگر آخرت کا دن نہ ہوتا تو پھر یہ اللہ کی حکمت اور انصاف کے سخت خلاف ہوتا کہ یہاں ظالم اور مظلوم سب برابر ہیں، جہاں گنہگاروں کو اس کے گناہ پر سزا نہیں، نیکوکاروں کو ان کی نیکی کا کوئی انعام نہیں، اگر ایسی بات ہوتی تو پھر یہ دنیا گناہوں کی آماجگاہ بن جاتی اور نیکیوں کا خاتمہ ہو جاتا۔ عقل وانصاف اور حقیقت وضرورت کے سبب یوم آخرت اور بدلے کا دن ضروری تھا، اللہ نے پھر آگے سورج، چاند اور دیگر مظاہر فطرت کو بھی اسی قبیل کی نشانی اور دلیل قرار دینے کے بعد آگے فرمایا کہ عقیدۂ آخرت کے انکار کا لازمی نتیجہ جہنم ہے، اور دلیل یہ ہے کہ اس عقیدے سے منکر یا خالی الذہن ہو کر انسان برائیوں کا اکتساب کرتا ہے، وہ اللہ شدید العقاب کی سزا سے بے فکر ہو کر جرائم کرتا ہے، برعکس صورت میں وہ لازماً اس ابتر صورت حال سے باز آئے گا، اور اللہ سے ڈر کر زندگی گذارے گا۔ (ملخصاً از تفہیم)

(۷) عقیدۂ آخرت کا حامل انسان ایک مثالی انسان ہوتا ہے، یہ عقیدہ ویقین کہ آخرت کا آنا ضروری ہے، ایک انسان کو دوسرے انسان سے بے حد ممتاز کر دیتا ہے، اللہ نے قرآن میں فرمایا: ﴿ما عندكم ينفد وما عند الله باق ولنجزين

الذين صبروا أجرهم بأحسن ما كانوا يعملون، من عمل صالحا من ذكر وأنثى وهو مؤمن فلنحيينه حياة طيبة ولنجزينهم أجرهم بأحسن ما كانوا يعملون﴾ (۱۶/۹۶-۹۸) یعنی جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ خرچ ہوجانے والا ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہی باقی رہنے والا ہے اور ہم ضرور صبر سے کام لینے والوں کو ان کے اجر کے بہترین اعمال کے مطابق دیں گے، جو شخص بھی نیک عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہو، اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے، اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کو ان کے اجر، ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے''۔ اس آیت کی تفسیر میں مولانا مودودی نے خوب لکھا ہے کہ اس آیت میں مسلم اور کافر و فاسق دونوں ہی گروہوں کے ان تمام کم نظر اور بے صبر لوگوں کی غلط فہمی دور کی گئی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ سچائی اور دیانت و پرہیزگاری کی روش اختیار کرنے سے آدمی کی آخرت چاہے بن جاتی ہو مگر اس کی دنیا ضرور بگڑ جاتی ہے، اللہ تعالی ان کے جواب میں فرماتا ہے کہ تمہارا یہ خیال غلط ہے، اس صحیح رویہ سے محض آخرت ہی نہیں بنتی، دنیا بھی بنتی ہے، جو لوگ حقیقت میں ایماندار، پاکباز، نیک و شریف اور اچھے اخلاق و کردار کے حامل اور سب سے معاملے میں کھرے ہوتے ہیں ان کی دنیوی زندگی بھی ایمان اور بدعمل لوگوں کے مقابلے میں صریحا بہتر رہتی ہے، جو ساکھ و شہرت اور سچی عزت و قدر اپنی بے داغ سیرت کی وجہ سے انہیں نصیب ہوتی ہے وہ دوسروں کو نصیب نہیں ہوتی، جو ستھری اور پاکیزہ کامیابیاں انہیں حاصل ہوتی ہیں وہ ان لوگوں کو میسر نہیں آتیں جن کی ہر کامیابی گندے اور گھناؤنے طریقے کا نتیجہ ہوتی ہے، وہ بوریانشین ہو کر بھی قلب کے جس اطمینان اور ضمیر کی جس ٹھنڈک سے بہرہ مند ہوتے ہیں اس کا کوئی ادنی سا حصہ بھی محلوں میں رہنے والے فساق و فجار نہیں پاسکتے، یوں چشم بینا سے دنیا دیکھے تو اسے معلوم ہوگا کہ عقیدہ آخرت کی روح سے سرشار نیک اور صاحب کردار انسان دوسرے عام تمام انسانوں سے، خواہ وہ دنیوی طور پر کتنا ہی مشہور و معزز ہو، کتنا ممتاز و منفرد اور قابل تکریم و تعظیم ہوتا ہے، بلاشبہ سب سے منفرد و ممتاز.....۔

(۸) آخرت پر ایمان اور اس دن کی کامرانی کی سعی و تمنا آدمی کو دنیا اور آخرت دونوں کے خیر و کامرانی سے سرفراز و شادکام کرتا ہے، اس کے برعکس وہ اولا آخرت کے دائمی اور تصور سے پرے آرام و راحت اور حقیقی دائمی کامرانی سے تو محروم ہو ہی جاتا ہے، دنیا کی سعی و تمنا سے اگر اسے کچھ ملتا ہے تو وہ آخرت کے مقابلے بہت معمولی اور عارضی ہوتا ہے۔ غور کریں یوں دونوں عقیدے کے بیچ کتنا فرق ہے، اللہ نے فرمایا اور بالکل سچ فرمایا: ﴿من كان يريد العاجلة عجلنا له فيها ما نشاء لمن نريد ثم جعلنا له جهنم يصلاها مذموما مدحورا، ومن أراد الآخرة وسعى لها سعيها وهو مؤمن فأولئك كان سعيهم مشكورا، كُلا نمد هؤلاء وهؤلاء من عطاء ربك وما كان عطاء ربك محظورا انظر كيف فضلنا بعضهم على بعض وللآخرة أكبر درجات وأكبر تفضيلا﴾ (۱۷/۱۸-۲۱) یعنی جو کوئی (اس دنیا میں) جلدی حاصل ہونے والے فائدوں کا خواہشمند ہوا سے ہم یہیں دے دیتے ہیں جو کچھ بھی جسے دینا چاہیں، پھر اس کے مقسوم میں جہنم لکھ دیتے ہیں جسے وہ تاپے گا ملامت زدہ اور رحمت سے محروم ہوکر، اور جو آخرت کا خواہشمند ہو اور اس کے لیے سعی کرے جیسی کہ اس کے لیے سعی کرنا چاہئے، اور ہو وہ مومن، تو ایسے ہر شخص کی سعی مشکور ہوگی، ان کو بھی اور ان کو بھی دونوں فریقوں کو ہم (دنیا میں) سامان زیست دیئے جارہے ہیں، یہ تیرے رب کا عطیہ ہے اور تیرے رب کی عطا کو روکنے والا کوئی نہیں ہے، مگر دیکھ لو، دنیا ہی میں ہم نے ایک گروہ کو دوسرے گروہ پر کیسی فضیلت دے رکھی ہے، اور آخرت میں اس کے درجے اور بھی زیادہ ہوں گے اور اس کی فضیلت اور

بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر ہوگی''۔ان آیات میں غور کریں کہ اللہ آخرت کے انکار واقرار کے حامل لوگوں کے بیچ کیا فرق بیان کرتا ہے،اس کا منکر درحقیقت دنیا اور آخرت ہر دو کی بھلائی وکامرانی سے محروم ہے، ہر چند کہ وہ بظاہر دنیا میں کچھ حاصل کر کے خود کو کامیاب سمجھتا ہے مگر وہ آخرت کی ابدی اور حقیقی کامرانی سے محروم ہو جاتا ہے جبکہ اس کا اقرار وایمان آدمی کو دارین کی فلاح وعزت اور سرخروئی سے ہمکنار کرتا ہے،صاحب تفہیم لکھتے ہیں: آخرت کے طلبگار دنیا پرست لوگوں پر (دنیا میں بھی) فضیلت رکھتے ہیں، یہ فضیلت اس اعتبار سے نہیں ہے کہ ان کے کھانے پینے اور لباس ومکان،سواریاں اور تہذیب وتمدن کے ٹھاٹھ ان سے کچھ بڑھ کر ہیں بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ یہ جو کچھ بھی پاتے ہیں صداقت ودیانت اور امانت کے ساتھ پاتے ہیں اور جو کچھ بھی پا رہے ہیں ظلم سے اور بے ایمانیوں سے، پھر ان کو جو کچھ ملتا ہے وہ اعتدال کے ساتھ خرچ ہوتا ہے،اس میں سے حقداروں کے حقوق ادا ہوتے ہیں اور نیک کاموں پر خرچ ہوتا ہے،اس کے برعکس دنیا پرستوں کو جو کچھ بھی ملتا ہے وہ بیش تر عیاشیوں اور حرام کاریوں پر خرچ ہوتا ہے،اسی طرح تمام حیثیتوں سے آخرت کے طلبگار کی زندگی خدا ترسی اور اعلی وپاکیزگی اخلاق کا ایسا نمونہ ہوتی ہے جو پیوند لگے ہوئے کپڑوں اور خس کی جھونپڑیوں میں بھی اس قدر درخشاں وتاباں نظر آتا ہے کہ دنیا پرست اور منکر آخرت کی زندگی اس کے مقابلے میں ہر چشم بینا کو تاریک نظر آتی ہے''۔

(۹) آخرت کے تعلق سے ایک اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ اس دن آدمی کے اپنے عمل کے سوا کوئی کام نہ آئے گا نہ کوئی حامی ومددگار ہوگا نہ شفیع وسفارشی،اس دن اللہ اگر کسی کو سفارش کی اجازت دے گا جبھی وہ ایسا کر سکے گا،ایسا نہیں ہے کہ جو جس کی سفارش کرنا چاہے گا وہ کر لے گا اور اپنے ماننے،چاہنے والوں کو نجات دلا دے گا، ہرگز نہیں،اس لیے نبی ﷺ اپنے اہل خانہ اور قرابت دار حتی کہ جگر گوشہ حضرت فاطمہ ؓ تک سے فرمایا کہ بیٹی قیامت کے دن اللہ کی گرفت اور جہنم سے بچنے کا سامان اس دنیا میں ہی کر لو،اس دن میں تمہارے کوئی کام نہ آسکوں گا،اگر سفارش وشفاعت یوں دھڑلے سے ہوتی تو نبی ﷺ کم از کم اپنے اہل خانہ کو تو ضرور یقین دلاتے کہ اچھا کوئی بات نہیں ہے،اللہ کا میں محبوب ترین بندہ ہوں، میں تمہاری نجات کے لیے شفیع بنوں گا، دراصل ایسا ایمان اور عقیدہ کہ آخرت کے دن آدمی کے اپنے عمل کے سوا کوئی کام نہ آئے گا اسے آخری حد تک سنبھل کر چلنے، برائی سے بچ کر نیکی کی راہ پر چلنے کے لیے راہ نما بن جاتا ہے،اس کے برعکس کفار ومشرکین کا حال دیکھئے وہ لوگ تو آخرت کا انکار ہی کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم بفرض محال تسلیم بھی کر لیں آخرت واقع ہوگی تو ہم کو اس دن کی کوئی پرواہ نہیں کیونکہ ہمارے معبودان ہمیں سفارشی بن کر بچا لیں گے،ظاہر ہے مجرم کا یہ مزاج کہ ہم کو ہمارے جرم پر کوئی کچھ نہیں کر سکتا، ہمارے بڑے رہنما،لیڈران اور اثر ورسوخ والے لوگ ہم کو بچانے کے لیے کافی ہیں اور جیسا کہ ہم اپنے سماج اور ماحول میں اس کی بہت ساری مثالیں دیکھتے ہیں، نتیجۃً ایسے جرائم پیشہ لوگ خطرناک حد تک مجرم ہو جاتے ہیں،آخرت کے تعلق سے ایسا سفارشی عقیدہ رکھنے والے لوگ بھی اس دنیا میں جرائم کے معاملے میں اسی طرح بے لگام بن جاتے ہیں،دونوں عقیدوں کے فرق کو سامنے رکھ کر غور کریں کہ اسلامی عقیدۂ آخرت آدمی اور اس کے سماج کی بہتر تعمیر میں کتنا مثبت اور بہترین رول ادا کرتا ہے،اللہ نے قرآن میں اس بابت کئی ایک موقع پر فرمایا،مثلا: ﴿أم اتخذوا من دون الله شفعاء، قل أولو كانوا لا يملكون شيئا ولا يعقلون، قل لله الشفاعة جميعا، له ملك السماوات والأرض ثم إليه ترجعون﴾ (۳۹/۴۳-۴۴) یعنی کیا اس اللہ کو چھوڑ کر ان لوگوں نے دوسروں کو شفیع بنا رکھا ہے،ان سے کہو کہ کیا وہ سفارش کریں گے خواہ ان کے اختیار میں کچھ نہ ہو اور وہ سمجھتے بھی نہ ہوں؟ کہو شفاعت ساری کی ساری اللہ کے اختیار میں ہے،آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا وہی مالک ہے، پھر اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو''۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ﴿وأنذر به الذين يخافون أن يحشروا إلى ربهم ليس لهم من دونه ولي ولا شفيع لعلهم يتقون﴾ (۶/۵۱) یعنی اور اے نبی! آپ اس (قرآن) کے ذریعہ سے ان لوگوں کو نصیحت کریں جو اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے سامنے کبھی اس حال میں پیش کئے جائیں گے کہ اس کے سوا وہاں اس کا کوئی حامی ومددگار اور شفیع وسفارشی ہوگا، (ایسا اس لیے کریں تاکہ اس نصیحت سے متنبہ ہوکر) وہ خداترسی کی راہ پر چلیں''۔ اس آیت میں اللہ نے واضح طور پر یوں فرمادیا کہ آپ اپنی دعوت ونصیحت کا رخ ان کی طرف نہ کریں کہ جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہمارے معبودان قیامت کے دن ہمارے سفارشی بن کر بچالیں گے، بلکہ ان کو نصیحت کریں جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ کے سوا دوسرا کوئی اس کو نجات دینے والا نہ ہوگا، ظاہر ہے اول الذکر جس طرح بے لگام زندگی گذارے گا برعکس صورت میں ثانی الذکر اللہ سے ڈر کر زندگی گذارے گا، یوں دونوں عقیدوں کا فرق واضح ہے، یہی باتیں (یونس:۳)، (یونس:۱۸)، (ہود:۲۰)، (طہ:۱۰۹) اور دوسرے کئی ایک مقامات پر بیان کی گی ہیں۔

(۱۰) یوم آخرت کا اقرار اور اس پر ایمان کا لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ اسے اپنی ذمہ داری اور جواب دہی کا مکمل احساس ہوتا ہے، وہ جانتا ہے اس دنیا میں جو بھی عمل کرتا ہے وہ اس کے تئیں یوم آخرت کو جوابدہ ہے اور اسے اپنے ایک ایک چھوٹے بڑے تمام اعمال کا حساب دینا ہوگا، اس کے برعکس بلاشبہ آدمی کو غیر ذمہ دار، غیر جوابدہ اور بے لگام بنا کر رہتی ہے، اس کی مثال دنیوی زندگی سے یہ دی جاسکتی ہے کہ ایک آدمی جو اپنے اہل خانہ کے نان ونفقہ کا ذمہ دار ہے، دوسرا فرد جو نان ونفقہ کی ذمہ داری کی ادائیگی سے بے فکر، گھر کے معاملات ومسائل اور امور کے تعلق سے آزاد ہوتا ہے، دونوں کی زندگی میں لازماً بڑا واضح فرق ہوتا ہے، پہلا سراپا حرکت وعمل ہوتا ہے تو دوسرا غیر سنجیدہ۔ یہ تو دنیا کا معاملہ ہے، آخرت کا معاملہ جو بلاشبہ اس سے کہیں زیادہ اہم اور حساس ہے، وہ اسی طرح آدمی کو سنجیدہ ومتین اور حساس بنادیتا ہے، وہ حق الیقین کی حد تک جانتا ہے کہ اس دنیا میں اس کے ایک ایک عمل کا اللہ کے یہاں محاسبہ ہوگا، ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا، پھر اس کے حساب سے تصور سے پَرے ابدی طور پر ہمیشہ ہمیش کے لیے یا تو آرام وعشرت کی زندگی نصیب ہوگی یا پھر کلفت ومصیبت کی زندگی ملے گی، یہ عقیدہ وایمان جس طرح اور جس قدر کمزور ومضبوط ہوگا آدمی کی زندگی اس کے حساب سے حساس وسنجیدہ اور بہتر سے بہتر فکر وعمل کے لیے کوشاں ہوگی، عقیدۂ آخرت یوں بلاشبہ آدمی کو ذمہ دارانہ زندگی جینے کا وہ سلیقہ سکھاتا ہے جس سے آدمی کی آخرت کے ساتھ دنیا کی بھی زندگی سنورتی اور کامران ہوتی ہے، اللہ نے فرمایا: ﴿وإذا قيل ان وعد الله حق والساعة لا ريب فيها قلتم ما ندري ما الساعة ان نظن الا ظنا وما نحن بمستيقنين وبدا لهم سيئات ما عملوا وحاق بهم ما كانوا به يستهزؤن ..... الآية﴾ یعنی اور جب کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے قیامت کیا ہوتی ہے، ہم تو بس ایک گمان سا رکھتے ہیں، یقین ہم کو نہیں ہے، اس وقت ان پر ان کے اعمال کی برائیاں کھل جائیں گی اور وہ اس چیز کے پھیرے میں آجائیں گے جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے اور ان سے کہا جائے گا آج ہم بھی تم کو اسی طرح بھلائے دیتے ہیں جس طرح تم اس دن کی ملاقات کو بھول گئے تھے تمہارا ٹھکانا اب دوزخ ہے، اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے، یہ تمہارا انجام اس لیے ہوا کہ تم نے اللہ کی آیات کا مذاق بنالیا تھا، اور تمہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا تھا، لہذا آج نہ یہ لوگ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے کہا جائے گا کہ معافی مانگ کر اپنے رب کو راضی کرلو''۔ (۴۵/۳۲-۳۵)

غور کریں آخرت کا انکار وشک آدمی کو کس قدر بے لگام اور فریب کا شکار بنا کر اسے برباد کردیتا ہے.....اللہ کی پناہ.....!!! ☆

مسابقۂ حفظ وتفسیر قرآن، کاٹھمانڈو

قرآن کریم اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ کتابوں میں سب سے آخری کتاب ہے، اس کتاب کو پوری دنیائے انسانیت کے لیے ہادی ورہنما بنا کر اتارا گیا تھا، اللہ تعالی نے اس کتاب کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، چنانچہ چودہ سو سال سے زائد کا طویل عرصہ گزرنے کے بعد آج بھی یہ کتاب اپنے تمام الفاظ وحروف اور زیر وزبر کے ساتھ اصلی حالت میں موجود ہے اور باذن اللہ تا قیامت ایسے ہی موجود رہے گی۔

اس کتاب کے امتیازات میں سے ایک امتیاز جو اس کی الہی حفاظت کا ایک مظہر بھی ہے وہ یہ ہے کہ کیا عربی کیا عجمی، کیا چھوٹا کیا بڑا، کیا مرد کیا عورت، ہر ایک اس کو بغیر کسی بڑی مشقت کے اپنے سینے میں محفوظ کر لیتا ہے، چنانچہ ہمیشہ اس روئے زمین پر لاکھوں مسلمان ایسے پائے جاتے ہیں جو حفاظ قرآن ہوتے ہیں، اس عمل کو منظّم رکھنے کے لیے مسلمانوں نے حفظ قرآن کے مستقل ادارے اور شعبے قائم کر رکھے ہیں، اس کے علاوہ انفرادی طور پر بھی یہ عمل جاری وساری رہتا ہے۔

حفاظ قرآن کے حفظ کی جانچ پڑتال اور اس میں پختگی لانے کے لیے وقتاً فوقتاً حفظ قرآن کے چھوٹے بڑے مقابلے بھی منعقد کیے جاتے ہیں، ان مقابلوں میں جہاں حفظ قرآن کے مختلف اور اچھوتے نمونے سامنے آتے ہیں وہیں کچھ کمزور اور قابل اصلاح گوشوں کی نشاندہی بھی ہو جاتی ہے جس سے تعلیم وتربیت کے باب میں استفادہ کیا جاتا ہے۔

اسی نوعیت کا ایک مسابقہ مرکز التوحید جھنڈا نگر نیپال کے زیر اہتمام ماہ ستمبر میں نیپال کی راجدھانی کاٹھمانڈو میں منعقد ہوا تھا، یہ ایک قومی پیمانے کا مسابقہ تھا جس میں بلا قید مسلک ومشرب پورے نیپال کے حفاظ شرکت کے مجاز تھے، مقابلے کے تین زمرے تھے۔ پہلا زمرہ پورے قرآن کے حفظ پر مشتمل تھا، دوسرا بیس پارے کے حفظ پر، اور تیسرا پارہ عم کی تفسیر پر۔ مرکز التوحید کے روح رواں محترم مولانا عبداللہ عبدالتواب صاحب مدنی نے مہینوں پہلے اس روحانی تقریب میں شرکت کے لیے راقم کو دعوت دے رکھی تھی اور مسابقہ میں حکم کے فرائض انجام دینے کے لیے مکلّف کیا تھا، موصوف نے بتایا کہ نتائج کی شفافیت اور انہیں ہر طرح کے شک وشبہے سے بالا رکھنے کے لیے باہر سے ہی حکم حضرات مدعو کیے گئے ہیں، چنانچہ جامعہ سلفیہ سے راقم کے علاوہ محترم حافظ عبدالحکیم صاحب کو، دارالعلوم ندوۃ العلماء سے مولانا ابوسحبان مدنی صاحب اور قاری محمد ریاض صاحب کو، اور صفا شریعت کالج ڈومریا گنج سے مولانا عبدالواحد مدنی صاحب کو اس عمل کے لیے مکلّف کیا گیا تھا۔

پروگرام چونکہ خالص علمی، دینی اور دعوتی تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ قرآن کی طرف منسوب تھا، ادھر مولانا عبداللہ مدنی صاحب کا اصرار، لہذا تمام تر مشاغل کے باوجود شرکت سے گریز ممکن نہیں تھا، حافظ عبدالحکیم صاحب کی معیت بھی حوصلہ افزا ثابت ہوئی، لگ بھگ تین دن کاٹھمنڈو میں قیام رہا، مسابقہ کی امتحانی کارروائیوں کے بعد ایک بڑے ہوٹل میں اختتامی پروگرام منعقد ہوا جس میں مہمانوں کے تاثرات، نتائج کا اعلان اور انعامات کی تقسیم عمل میں آئی۔

اس مسابقہ کی ایک اہم خصوصیت یہ رہی کہ مولانا عبداللہ مدنی اوران کے رفقاء کار نے ملک نیپال کے صدر جمہوریہ جناب ڈاکٹر رام ورن یادو سے اختتامی نشست میں شرکت کی منظوری حاصل کررکھی تھی، صدر موصوف نے حسب گنجائش دو متبادل رکھا تھا، ایک تو یہ کہ اختتامی پروگرام میں خودتشریف لائیں، دوسرے یہ کہ اگر ایسا ممکن نہ رہا تو ایوان صدارت میں ایک نشست کا انعقاد ہو، مؤخرالذکر صورت پر عمل ہوا، شرکائے مسابقہ میں سے تینوں زمروں میں پہلی پوزیشن لانے والے طلبہ، حکم حضرات، دیگر مہمانان اور مسابقہ کے منتظمین پر مشتمل قافلہ ایوان صدارت پہنچا، وہاں ایک مختصر پروگرام ہوا، اول پوزیشن حاصل کرنے والے طالب علم کی قراءت کی پرکشش آواز صدارتی محل میں گونجی، دوتین مختصر خطاب ہوئے، آخر میں صدر نیپال نے دیر تک خطاب کیا، مولانا عبداللہ مدنی کی تقریر کے علاوہ تمام خطابات قومی (نیپالی) زبان میں تھے، صدر جمہوریہ کے ہاتھوں ان تینوں طلبہ کوانعامات سے سرفراز کیا گیا، جنہوں نے اپنے اپنے زمرے میں پہلی پوزیشن حاصل کی تھی۔ ہم لوگوں کے لیے یہ بات بہت ہی متاثر کن رہی کہ ملک کے سب سے اعلی ذمہ داراوران کے سرکاری محل تک پہنچنے کے لیے ہمیں برائے نام سیکورٹی چیکنگ کے مرحلے سے گزرنا پڑا، صدر جمہوریہ نے تمام حاضرین سے فرداً فرداً بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا اور بے تکلفی سے ملے۔

کاٹھمنڈو کے موسم کے بارے میں جس لطافت اور خوشگواری کا اندازہ تھا، ویسا تو نہ ملا، پھر بھی گرمی میں قدرے نرمی رہی، اور ستمبر کے اواخر میں صبح وشام ویسی ہی ہلکی خنکی کا احساس ہوتا تھا جیسی ہم لوگوں کے علاقے میں اواخر اکتوبر میں ہوتی ہے، البتہ میزبانان گرامی نے مہمانوں کو موسم سے لطف اندوز کرانے کے لیے آخری دن نگرکوٹ نامی ایک بلند پہاڑی علاقے کی سیر کرائی۔

منتظمین نے مسابقہ کو کامیاب بنانے کی کوشش میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، مولانا عبداللہ صاحب کے ساتھ ایک بڑی ٹیم لگی ہوئی تھی جو پورے انتظام پر نظر رکھے رہتی تھی۔ اللہ تعالی ان تمام حضرات کو جزائے خیر سے نوازے۔

یہاں ایک امر کی طرف اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جس کا تذکرہ میں نے مسابقہ کے اختتامی پروگرام میں پیش کیے گئے تاثرات میں بھی کیا تھا وہ یہ کہ چاہے حفظ کی پختگی کا معاملہ ہو یا تجوید وقراءت کے اصول وضوابط کی رعایت وتطبیق کا، اس میں جو معیار مطلوب ہے وہاں تک اپنے حفاظ اور طلبہ کو پہنچانے کے لیے ابھی بڑی محنت کی ضرورت ہے۔ مسابقہ کے منتظمین اس کے لیے ایک جامع اور منصوبہ بند پروگرام بنائیں جس میں حفظ قرآن کے اداروں اور شعبوں کی صورت حال کا سروے ہو، جو کمیاں ہوں انہیں دور کرنے کی کوشش کی جائے، حفظ قرآن کی تعلیم پر مامور اساتذہ کے لیے وقتاً فوقتاً تربیتی ورکشاپ منعقد کیا جائے اور تدریس وتحفیظ کے میدان میں ہوئی پیش رفت سے انہیں آگاہ کیا جائے، نیز اس عمل کو زیادہ منظم اور فعال بنانے کے لیے ان سے صلاح ومشورہ کیا جائے، تدریس وتحفیظ کے ماہرین کے تجربات سے بھی استفادہ کیا جائے، وغیرہ وغیرہ۔

(اسعد اعظمی)

☆☆☆

امام مسلم رحمہ اللہ اور صحیح مسلم

تحریر: شیخ عبدالمحسن العباد ترجمہ: عبدالغفار سلفی / بنارس

امام مسلم کا نسب:

امام ابوالحسن مسلم بن الحجاج بن مسلم نسب کے اعتبار سے قشیری ہیں اور وطن کے اعتبار سے نیشا پوری ہیں، ابن الاثیر "اللباب في تهذيب الأنساب" میں لکھتے ہیں کہ القشیر ی دراصل قشیر بن کعب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ کی طرف نسبت ہے، یہ ایک بڑا قبیلہ ہے، جس کی طرف بہت سے علماء منسوب ہیں۔اس کے بعد ابن الاثیر نے علماء کی ایک جماعت کا ذکر کیا ہے جن میں امام مسلم بھی شامل ہیں۔امام مسلم کی یہ نسبت اصلی نسبت ہے، جب کہ امام بخاری کی نسبت جعفیوں کی طرف نسبتِ ولاء ہے، اسی لیے جب امام ابوعمرو بن الصلاح نے اپنی کتاب ''علوم الحدیث'' میں یہ ذکر کیا کہ سب سے پہلی صحیح کتاب امام بخاری نے لکھی پھر امام مسلم نے، تو اسی ضمن میں وہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلی صحیح کتاب امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری نے لکھی جو جعفیوں کے غلام تھے، ان کے بعد ابوالحسین مسلم بن الحجاج نیشا پوری نے لکھی جو قشیریوں میں سے تھے۔

آپ کی ولادت:

امام مسلم کی ولادت ۲۰۴ھ میں ہوئی جیسا کہ خزرجی کی خلاصۃ تہذیب الکمال اور حافظ ابن حجر العسقلانی کی تہذیب التہذیب اور تقریب میں درج ہے، اسی طرح ابن کثیر کی البدایۃ والنہایۃ میں بھی یہی تاریخ درج ہے، ابن کثیر یہ ذکر کرنے کے بعد کہ امام مسلم کی وفات ۲۶۱ھ میں ہوئی فرماتے ہیں: آپ کی ولادت اسی سال ہوئی جس سال امام شافعی کی وفات ہوئی یعنی ۲۰۴ھ۔آپ کی عمر ۵۷ برس تھی رحمہ اللہ۔ابن خلکان نے اپنی کتاب ''وفیات الاعیان'' میں امام ابوعبداللہ الحاکم نیشا پوری کی کتاب ''علماء الامصار'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام مسلم کی وفات نیشا پور میں ۲۵ / رجب ۲۶۱ھ کو ہوئی، اس وقت آپ کی عمر ۵۵ / برس تھی، پھر ابن خلکان کہتے ہیں کہ اس اعتبار سے آپ کی ولادت ۲۰۶ھ میں ہوئی۔

طلب علم اور حدیث سننے کے لیے آپ کے اسفار:

آپ نے حدیث سننا ۲۱۸ھ سے شروع کر دیا جیسا کہ امام ذہبی ؒ کی تذکرۃ الحفاظ میں ہے، آپ نے حدیث کے حصول کے لیے عراق، حجاز، شام اور مصر کے سفر کیے اور ایک کثیر جماعت سے روایت کیا، ذیل میں آپ کے ان دس شیوخ کا ذکر کر رہا ہوں جن سے آپ نے اپنی صحیح میں سب سے زیادہ سنا اور روایت کیا ہے، ساتھ ہی ان شیوخ سے مروی روایات کی تعداد بھی ذکر کروں گا جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں ان شیوخ کے تراجم کے ضمن میں نقل کیا ہے۔

۱-ابوبکر بن ابی شیبہ	۱۵۴۰/ حدیثیں
۲-ابوخثیمہ زہیر بن حرب	۱۲۸۱/ حدیثیں

۳-محمد بن المثنی ،ملقب بہ ''الزمن''	۷۷۲/حدیثیں
۴-قتیبہ بن سعید	۶۶۸/حدیثیں
۵-محمد بن عبداللہ بن نمیر	۵۷۳/حدیثیں
۶-ابوکریب محمد بن العلاء ابن کریب	۵۵۶/حدیثیں
۷-محمد بن بشار ملقب بہ ''بندار''	۶۴۰/حدیثیں
۸-محمد بن رافع نیشاپوری	۳۶۲/حدیثیں
۹-محمد بن حاتم ،ملقب بہ ''السمین''	۳۰۰/حدیثیں
۱۰-علی بن حجر السعدی	۱۸۸/حدیثیں

امام مسلم کے ان دس شیوخ میں سے نو سے امام بخاری نے اپنی صحیح میں براہ راست روایت کیا ہے،لہذا دونوں شیخوں (بخاری ومسلم) کے شیوخ ہیں،محمد بن حاتم سے امام بخاری نے کوئی روایت نہیں لی ہے نہ بالواسطہ نہ بلاواسطہ۔امام ابوعمرو بن الصلاح اپنی کتاب ''علوم الحدیث'' میں فرماتے ہیں: اگر چہ امام مسلم نے امام بخاری سے روایتیں لی ہیں اور استفادہ کیا ہے، اس کے باوجود بہت سے شیوخ میں دونوں مشترک ہیں۔

امام بخاری سے آپ کا شرف تلمذ:

امام بخاری کو امام مسلم کے ان اہم شیوخ میں سے مانا جاتا ہے،جن سے امام مسلم کو کافی فائدہ پہنچا،حدیث نبوی کی معرفت اور صحیح احادیث کو نقل کرنے میں پختگی کے حصول میں جن کا زبردست کردار رہا ہے،حافظ ابوبکر خطیب بغدادی اپنی کتاب ''تاریخ بغداد'' میں امام مسلم کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: ''میں کہتا ہوں کہ امام مسلم امام بخاری کے ہی نقش قدم پہ چلے ہیں،ان کے علم کا مشاہدہ کیا ہے،اور انہیں کی متابعت کی ہے، جب اپنے آخری زمانہ میں امام بخاری نیشاپور آئے تو امام مسلم نے ان کو لازم پکڑ لیا اور مستقل ان کے پاس آنے جانے لگے۔حافظ ابن حجر نے اپنی شرح نخبۃ الفکر میں صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر ترجیح دینے کے ضمن میں لکھا ہے کہ'' علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ امام بخاری امام مسلم سے بڑے مرتبے کے حامل اور فن حدیث کے ان سے زیادہ جانکار تھے،گو کہ امام مسلم آپ کے شاگرد اور خریج تھے،اور برابر ان سے استفادہ کرتے اور ان کے نقش قدم پر چلتے ، یہاں تک کہ امام دارقطنی نے کہہ دیا: "لولا البخاري لما راح مسلم ولا جاء" اگر امام بخاری نہ ہوتے تو امام مسلم کا وجود اور ان کی آمد نہ ہوتی۔

باوجود اس کے کہ امام مسلم نے امام بخاری سے شرف تلمذ حاصل کیا، ان کو لازم پکڑے رہے اور ان سے استفادہ کرتے رہے،لیکن اپنی صحیح میں ان سے کوئی روایت نہیں لی، اللہ بہتر جانتا ہے لیکن بظاہر یہ لگتا ہے کہ امام مسلم نے ایسا دو وجہ سے کیا ہوگا:

۱- پہلی وجہ یہ ہے کہ امام مسلم علو اسناد کے خواہش مند تھے، چونکہ امام مسلم امام بخاری کے ساتھ بہت سے شیوخ میں مشترک تھے،لہذا اگر وہ امام بخاری سے روایت کرتے تو ایک راوی کی زیادتی کی وجہ سے سند طویل ہو جاتی ،اس لیے انہوں

نے علو اسناد کی خواہش رکھتے ہوئے اور اللہ کے رسول ﷺ کی زیادہ سے زیادہ قربت کی خواہش رکھتے ہوئے وہ تمام احادیث ان شیوخ سے براہ راست روایت کی ہیں جن کو امام بخاری نے بھی ان شیوخ سے روایت کیا ہے۔

۲- دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ امام مسلم کو یہ ناگوار گذرا کہ بعض علماء صحیح احادیث کے ساتھ ضعیف احادیث کو بھی ملا دیتے ہیں اور دونوں میں تمیز نہیں کر پاتے، تو انہوں نے اپنی پوری توجہ اس پر لگادی کہ صرف صحیح روایتیں نقل کی جائیں جیسا کہ انہوں نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں وضاحت کی ہے، لہذا جتنی احادیث امام بخاری کے پاس تھیں ان میں مزید کام کرنے کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ امام بخاری نے اور زیادہ احتیاط اور پختگی کے ساتھ صحیح احادیث کو جمع کرنے کا اہتمام کیا تھا۔

آپ کے تلامذہ:

امام مسلم کے بہت سارے تلامذہ ہیں جنہوں نے آپ سے سنا، جیسا کہ تہذیب التہذیب میں مذکور ہے، ان تلامذہ میں بعض یہ ہیں:

ابوالفضل احمد بن سلمہ، ابراہیم بن ابی طالب، ابوعمرو الخفاف، حسین بن محمد القبانی، ابوعمرو المستملی، صالح بن محمد الحافظ، علی بن الحسن الہلالی اور محمد بن عبدالوہاب الفراء- یہ دونوں آپ کے شیوخ میں سے بھی ہیں- علی بن الحسین بن الجنید، ابن خزیمہ، ابن صاعد اور محمد بن عبد بن حمید وغیرہ۔

امام ترمذی نے بھی اپنی جامع میں آپ سے ایک حدیث روایت کی ہے جسے کتاب الصیام، باب ما جاء فی احصاء ہلال شعبان لرمضان میں لائے ہیں، امام ترمذی فرماتے ہیں: "حدثنا مسلم بن حجاج حدثنا یحیی بن یحیی حدثنا أبومعاویة عن محمد بن عمرو عن أبي سلمة عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: احصوا هلال شعبان لرمضان"۔

امام عراقی فرماتے ہیں (جیسا کہ محدث مبارکپوری ؒ نے تحفۃ الاحوذی میں ان کے حوالے سے نقل کیا ہے) کہ: ''مصنف (امام ترمذی) نے اپنی کتاب میں امام مسلم صاحب ''الصحیح'' سے اس حدیث کے علاوہ کچھ بھی روایت نہیں کیا ہے، یہ روایۃ الاقران کے قبیل سے ہے، کیونکہ امام ترمذی اور امام مسلم بہت سے شیوخ میں مشترک ہیں''۔ حافظ ابن حجر ؒ بھی تہذیب التہذیب میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اس کے علاوہ جامع ترمذی میں امام مسلم سے کوئی روایت نہیں ہے''۔ خزرجی ''خلاصۃ تہذیب الکمال'' میں فرماتے ہیں: ''امام مسلم سے امام ترمذی نے اکلوتی حدیث روایت کی ہے''۔

خلاصۃ تہذیب اور تقریب التہذیب میں اشارتا یہ بات مذکور ہے کہ امام ترمذی کے رجال میں سے امام مسلم بھی ہیں، یہ اسی ایک حدیث کی بنا پر کہا گیا ہے جس کو امام ترمذی نے امام مسلم سے روایت کیا ہے۔

آپ کے متعلق علماء کے ستائشی کلمات:

علماء نے امام مسلم کے فضائل بیان کیے ہیں اور آپ کی قوت معرفت اور علو مکانی کا اعتراف کیا ہے، آپ کے شیخ محمد بن عبدالوہاب الفراء آپ کے بارے میں فرماتے ہیں: ''امام مسلم علماء امت میں سے تھے، علم کے مرکز تھے، میں ان کے

بارے میں بھلائی کے علاوہ کچھ نہیں جانتا''۔ابن الاخرم فرماتے ہیں: ''ہمارے اس شہر (نیشاپور) نے تین رجال حدیث پیدا کیے ہیں: محمد بن یحییٰ، ابراہیم بن ابی طالب اور مسلم۔ابن عقدہ فرماتے ہیں: ''رجال کے سلسلے میں امام مسلم سے بہت کم غلطی ہوتی ہے، اس لیے کہ وہ حدیث کو اسی کے مطابق لکھتے ہیں''۔ابوبکر بن الجارودی فرماتے ہیں: ''ہم سے حدیث بیان کی مسلم بن الحجاج نے جو علم کے برتن کی حیثیت رکھتے تھے''۔مسلمہ بن قاسم فرماتے ہیں: ''ثقہ اور جلیل القدر امام ہیں''۔ابن ابی حاتم کہتے ہیں: ''میں نے ان سے روایتیں نقل کی ہیں، وہ ثقہ تھے، حفاظ میں سے تھے اور حدیث میں ان کو معرفت حاصل تھی، میرے والد سے ان کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ وہ سچے ہیں''۔بندار کہتے ہیں: ''حفاظ حدیث چار ہیں: ابوزرعہ، محمد بن اسماعیل، دارمی اور مسلم''۔اسحاق بن منصور امام مسلم سے کہتے ہیں: ''جب تک اللہ آپ کو مسلمانوں کے لیے باقی رکھے گا ہم بھلائی سے محروم نہیں ہو سکتے''۔احمد بن سلمہ کہتے ہیں: ''میں نے ابوزرعہ اور ابوحاتم کو دیکھا کہ وہ صحیح احادیث کی معرفت کے سلسلے میں امام مسلم کو اپنے دور کے مشائخ پر مقدم سمجھتے ہیں''۔امام نووی فرماتے ہیں: ''امام مسلم کی جلالت علمی، امامت، علوم مرتبت، فن حدیث میں آپ کی مہارت، تفوق اور پختگی پر علماء کا اتفاق ہے''۔امام نووی مزید فرماتے ہیں: ''جان لو کہ امام مسلم رحمہ اللہ اس فن کے عظیم اور کبار علماء میں سے سے تھے، آپ اہل حفظ واتقان میں سے تھے، آپ ان علماء میں سے تھے جنہوں نے طلب حدیث کے لیے دور دراز کے سفر طے کیے، علم حدیث کے ماہرین اور اس کی معرفت رکھنے والوں کے یہاں آپ کے علم حدیث میں تفوق اور اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ ہر زمانے میں آپ کی کتاب کی جانب رجوع کیا جائے اور اس پر اعتماد کیا جائے۔امام ذہبی نے العبر میں لکھا ہے: ''ابوالحسین نیشاپوری حافظ ہیں، علم حدیث کے اہم رکن ہیں''۔

آپ کی تالیفات:

امام نووی تہذیب الاسماء واللغات میں فرماتے ہیں: امام مسلم رحمہ اللہ نے بہت ساری کتابیں تصنیف کیں۔

۱-ان میں سے ایک کتاب صحیح مسلم ہے، جس کے ذریعہ اللہ کریم نے (اللہ ہی کے لیے تعریف، نعمت، فضل اور احسان ہے) مسلمانوں پر احسان فرمایا اور قیامت تک کے لیے اسے امام مسلم کے حق میں ذکر جمیل اور تعریف وتوصیف کا سبب بنا دیا۔ساتھ ہی اللہ نے آپ کے لیے آخرت میں اجر جزیل تیار کر رکھا ہے۔نیز صحیح مسلم کا نفع تمام مسلمانوں کو پہنچ رہا ہے۔

۲-ان کتابوں میں سے ''الکتاب المسند الکبیر علی اسماء الرجال'' ہے۔

۳-کتاب الجامع الکبیر علی الابواب ۴-کتاب العلل

۵-کتاب أوھام المحدثین ۶-کتاب التمییز

۷-کتاب من لیس لہ الا راو واحد ۸-کتاب طبقات التابعین

۹-کتاب المخضرمین وغیرہ

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں امام حاکم کے حوالے سے امام مسلم کی ۲۰/ تالیفات کا ذکر کیا ہے، اس میں گزشتہ کتابوں کے علاوہ درج ذیل کتب کا اضافہ کیا ہے:

۱۰-کتاب الاسماء والکنی ۱۱-کتاب الافراد

۱۲-کتاب الاقران
۱۳-کتاب سؤالات أحمد بن حنبل
۱۴-کتاب حدیث عمرو بن شعیب
۱۵-کتاب الانتفاع بأھب السباع
۱۶-کتاب مشایخ مالک
۱۷-کتاب مشایخ الثوری
۱۸-کتاب مشایخ شعبۃ
۱۹-کتاب أولاد الصحابۃ
۲۰-کتاب أفراد الشامیین

آپ کا پیشہ:

جیسا کہ تہذیب التہذیب میں مذکور ہے، امام مسلم رحمہ اللہ پارچہ فروش تھے، امام ذہبی اپنی کتاب ''العبر'' میں فرماتے ہیں: ''آپ ایک تاجر تھے، نیشاپور کے خوشحال لوگوں میں سے تھے، آپ کے پاس کافی جائداد اور دولت تھی''۔

آپ کی سوانح اور حالات زندگی قلمبند کرنے کے سلسلے میں علماء کا اہتمام:

تاریخ اور تراجم رجال لکھنے والوں نے امام مسلم کی سوانح لکھنے کا کافی اہتمام کیا ہے اور آپ کی شان میں جس ذکر جمیل اور مدح وستائش کے آپ حقدار تھے اس کو بیان کیا ہے، بطور مثال:

۱-خطیب بغداد	تاریخ بغداد میں
۲-قاضی محمد بن ابی یعلی	طبقات الحنابلہ میں
۳-امام نووی	تہذیب الاسماء واللغات میں
۴-ابن خلکان	وفیات الاعیان میں
۵-حافظ ذہبی	تذکرۃ الحفاظ میں
۶-ابن کثیر	البدایۃ والنہایۃ میں
۷-ابن حجر العسقلانی	تہذیب التہذیب میں
۸-العلیمی الحنبلی	المنہج الاحمد میں
۹-ابن العماد الحنبلی	شذرات الذہب میں
۱۰-صدیق حسن خان	التاج المکلل میں

وفات اور عمر:

امام مسلم رحمہ اللہ کی وفات اتوار کی شام میں ہوئی اور آپ کو سوموار کے دن ۲۵/رجب ۲۶۱ھ کو دفن کیا گیا، آپ کی تدفین نیشاپور کے ایک علاقہ نصر آباد میں ہوئی، آپ نے ایک قول کے مطابق ۵۵/برس اور ایک قول کے مطابق ۵۷/برس کی عمر پائی، رحمہ اللہ۔

الحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات.

☆☆☆

اعتقادی انحرافات کے ظہور کے اسباب ومحرکات

راشد حسن فضل حق مبارکپوری

نبی امی رسول کریم ﷺ یا آپ کے بعد خلفاء راشدین کے عہد زریں میں بدعات وانحرافات کی جس قدر بھی شکلیں ظہور پذیر ہوئیں، ان کی حیثیت اجتماعی نہیں تھی، کہ بیک وقت انہیں کسی پوری جماعت نے اختیار کرلیا ہو، اور اپنے زمانے کے تمام اہل حق واہل سنت والجماعت کو اپنا ہم خیال وہم مشرب بنالیا ہو، بلکہ تاریخ کے مختلف ادوار میں منحرف عقائد بعض افراد کی طرف سے منصۂ شہود پر آئے، اور ان باطل معتقدات اور غیر اسلامی نظریات کے حاملین کی حیثیت اہل حق کے مقابلہ میں شذوذ کی سی ہے، ذیل کی سطور میں اعتقادی انحرافات کے اسباب ومحرکات پر نہایت مختصر گفتگو کی کوشش کی جارہی ہے:

(۱) غلو: غلو کا مطلب ہوتا ہے کہ کسی چیز کو حد سے زیادہ بڑھا دینا۔

غلو ومبالغہ ایک ایسی خطرناک بیماری ہے، جس سے شریعت نے جا بجا بچنے اور دور رہنے کی تلقین کی ہے، تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ خوارج وروافض نے حد درجہ غلو اختیار کیا، جس کی وجہ سے وہ اہل سنت والجماعت کے امتیازی منہج سے دور ہوگئے، اور زیغ وضلال کی گمراہی میں جا گرے۔

خوارج کا غلو: خوارج نے قرآن مجید میں مذکورہ آیات وعید میں انتہائی غلو ومبالغہ سے کام لیا، ساتھ ہی امید ورجا اور وعدۂ مغفرت وتوبہ سے متعلقہ آیات سے بھی اعراض اور ان میں تاویل کا راستہ اختیار کیا، مثال کے طور پر یہ آیت کریمہ: ﴿إن الله لا يغفر أن يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء﴾(۱) ترجمہ: یقیناً اللہ تعالی اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالی بجز شرک کے تمام گناہوں کو معاف فرمادے گا، مگر خوارج نے اس سے عدول واختلاف کرتے ہوئے اس وعدۂ مغفرت کا انکار وتکذیب کی، اسی طرح ذخیرۂ احادیث میں اس معنی کی حدیثیں بھی موجود ہیں، مثلا: "يا ابن آدم انك لو أتيتني بقراب الأرض خطايا ثم لقيتني لا تشرك بي شيئا لأتيتك بقرابها مغفرة" (۲) اس حدیث سے پتہ چلا کہ اگر انسان کی لغزشیں اور خطائیں زمین کے بقدر بھی ہوجائیں، تب بھی اللہ تعالی انہیں اپنی خاص رحمت سے معاف فرمادے گا، .....اس مدلول ومفہوم کی بے شمار حدیثیں ہیں، جنہیں خوارج نے اپنے باطل مذہب کے اثبات کی وجہ سے رد کردیا ہے۔

---

(۱) سورۃ النساء: ۴۸، ۱۱۶۔

(۲) أخرجه الترمذي، وقال: غريب لا نعرفه الا من هذا الوجه (۳۵۴۰)، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: جامع العلوم والحکم لابن رجب، ص: ۴۰۰، امام صاحب نے اس حدیث پر اسناد التفصیلی گفتگو کی ہے۔

شارح عقیدہ طحاویہ لکھتے ہیں: "وإذا اجتمعت نصوص الوعد التي استدلت بها المرجئة ونصوص الوعيد التي استدلت بها الخوارج والمعتزلة تبين لك فساد القولين". (۱)

وعدہ سے متعلق وہ نصوص کتاب وسنت جن سے مرجئہ نے استدلال کیا ہے، اور وعید سے متعلق وہ نصوص کتاب وسنت جن سے خوارج اور معتزلہ نے استدلال کیا ہے، اگر اکٹھا ہو جائیں تو ان دونوں مذہب کے افکار کی غلطی بخوبی واضح ہو جائے گی۔

روافض کا غلو: روافض کے ظہور کے اہم اسباب میں سے ایک اہم سبب ان کا غلو تھا، اور اس کا اصل داعی ونقیب نہایت مکار وعیار یہودی عبداللہ بن سبا تھا، پھر حضرت حسین ؓ کا قتل بھی اسی غلو کے اثر سے تھا کہ اسی فتنہ کے وقت مختار بن عبید اللہ الثقفی آیا، اور اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اس نے اپنے مقصد برآری کی کوشش کی، چنانچہ قاتلین حسین کا تعاقب وسراغ رسانی کی، پھر انہیں قتل کر کے ایک بار پھر ''ابن حنفیہ'' کے لیے بیعت وامامت کا قضیہ از سر نو تازہ کر دیا، لیکن ''ابن الحنفیۃ'' نے جب اس کے انحراف وفریب کاری کا اندازہ کر لیا، تو انہوں نے اس سے برأت کا اظہار کر دیا، .....، اسی طرح شدہ شدہ رفض کے ایوانوں میں غلو واطراء کی دیواریں اونچی ہوتی گئیں، یہاں تک کہ تاریخ انسانی نے ملاحظہ کیا کہ ان کے ائمہ واعلام درجۂ امامت وقیادت سے مرتبۂ نبوت بلکہ مقام الوہیت کی بلندیوں پر فائز ہو گئے۔

(۲) بدعت پر بدعت کے ذریعہ تنقید کرنا:

جب اسلامی معاشرہ میں بدعتوں کا ظہور ہونے لگا، تو بعض فرقے ایسے تھے جنہوں نے اس پر تنقید اسی جیسی بدعت یا اس سے اشد بدعت کے ذریعہ سے کی، ان میں مرجئہ، معتزلہ، مشبہ اور جہمیہ معروف ہیں۔

مرجئہ کے بارے میں معلوم ہے کہ جب خوارج نے حضرت علی ؓ اور حکمین کے فیصلے کا انکار کر دیا تو مرجئہ انہیں کے بالمقابل وجود میں آئے تھے، ان کا کہنا تھا کہ ہم ان کے بارے میں کچھ نہیں کہتے، بلکہ ان کا فیصلہ اللہ تعالی کو سونپتے ہیں، لیکن مرجئہ کا معاملہ یہیں تک نہیں رہا، بلکہ وہ یہاں تک کہہ بیٹھے: "لا تضر مع الإيمان معصية كما لا ينفع مع الكفر طاعة" یعنی ایمان کی موجودگی میں معصیت کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی، جس طرح کفر کی حالت میں اطاعت کا کوئی کام فائدہ نہیں دے سکتا۔ ..... پھر معتزلہ کا ظہور ہوا، انہوں نے منزلۃ بین المنزلتین کی بدعت ایجاد کی، وہ دراصل خوارج اور مرجئہ کا درمیانی راستہ تھا، واقعہ گذر چکا ہے کہ واصل نے حضرت حسن بصری سے خوارج ومرجئہ کے عقائد کے بارے میں سوال کیا کہ خوارج مرتکب کبیرہ کو کافر کہتے ہیں، جبکہ مرجئہ گناہ کے صدور سے ایمان پر عدم تاثیر کے قائل ہیں، تو اس بارے میں آں موصوف کیا فرماتے ہیں؟ حسن بصری ابھی گویا بھی نہ ہوئے تھے کہ وہ خود ہی بول پڑا، ایسے شخص کے بارے میں ''منزلۃ بین المنزلتین'' ہی کا فیصلہ ہونا چاہئے، گویا واصل نے ایک بدعت کا جواب ایک دوسری نئی بدعت سے دیا، اسی طرح ''مشبہہ'' کا معاملہ بھی ہوا، یہ دراصل معطلہ وجہمیہ کے ردعمل کے طور پر ابھرے تھے، معطلہ جہمیہ مقام بلخ میں تھے، جہاں جہم بن صفوان صفات باری تعالی کی نفی کرتا تھا، چنانچہ مقاتل بن سلیمان ان کے افکار پر رد وانتقاد کے لیے کھڑا ہوا تو اس نے صفات باری

(۱) شرح العقیدۃ الطحاویۃ العز بن عبد السلام: ۲۵۲۔

تعالی کے اثبات میں اس قدر غلو ومبالغہ سے کام لیا کہ انتہا کردی، اس انتہا پسندی کا نتیجہ یہ ہوا کہ صفات باری تعالی کو بندوں کے صفات سے تشبیہ دے دی، گویا مقاتل نے ایک بدعت پر تنقید اس سے بھی زیادہ خطرناک بدعت کے ذریعہ سے کی، اسی طرح جہمیہ نے قدریہ کی اعتقادی گمراہیوں پر تنقید ایک دوسری بدعت کے ذریعہ سے کی، قدریہ کا مسلک تھا کہ بندہ اپنے افعال کا خالق خود ہے، اللہ تعالی کا اس میں کوئی دخل نہیں، گویا تقدیر کا انکار کیا، چنانچہ اس پر نقد جہمیہ نے کیا، اور قضیہ بالکل برعکس کرتے ہوئے کہا: بندوں کے افعال کا خالق اللہ تعالی ہی ہے، بندوں کا اس میں کوئی دخل نہیں، بلکہ وہ مجبور محض ہیں، واضح لفظوں میں ان کے نزدیک بندوں کی حیثیت تندی باد مخالف میں اڑتے ہوئے تنکے اور سیل رواں میں خس وخاشاک کے مانند ہے جن کی موت وحیات کا فیصلہ سیل تند کے ہاتھ میں ہوتا ہے، چنانچہ جہمیہ نے قدریہ پر نقد کیا، اسی جیسی دوسری بدعت کے ذریعہ، جس کا خطرناک نتیجہ یہ ہوا کہ انسان تکلیف وجزاء کی کلفتوں سے آزاد ہوکر بامقصد زندگی سے محروم ہوگیا۔

(۳) بیرونی وخارجی تاثیریں:

یہ بات گذر چکی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلو ومبالغہ کی اصل بنیاد عبداللہ بن سبا یہودی ہے، امام بغدادی رقمطراز ہیں: ''محققین اہل سنت کا خیال ہے ابن السوداء یعنی عبداللہ بن سباء اصلا یہودی تھا، چنانچہ وہ حضرت علی اور ان کی آل واولاد کے سلسلے میں غلط وبے جا تاویلات کے ذریعہ سے مسلمانوں کے عقائد کو بگاڑنا چاہتا تھا، تاکہ مسلمانوں کا حضرت علیؓ کے تعلق سے وہی اعتقاد ہو جو نصاری کا حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں تھا''۔(۱)

اس کی دلیل یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا لوگوں میں یہ عقیدہ عام کرتا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آسمان کی طرف سے ویسے ہی چڑھ گئے ہیں، جیسے کہ حضرت عیسی علیہ السلام چڑھے تھے، .....اور عنقریب وہ دنیا کی طرف نزول فرمائیں گے اور اپنے دشمنوں ومعاندین سے سخت انتقام لیں گے۔(۲)

اس توضیح سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ عبداللہ بن سبا دل میں کس قدر بغض وعناد چھپا رکھا تھا، اس نے اسلام اور اہل اسلام کے سارے اعتقادات کو ملیامیٹ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، یہی وجہ ہے کہ اس مکار وعیار یہودی نے جن معتقدات کا اظہار کیا تھا بعد میں وہ شیعوں کے مختلف فرقوں کی اساس وبنیاد قرار پائے، جن کی ابتداء حضرت علیؓ کے نبی ﷺ کے وصی ہونے پر ہوتی ہے اور انتہا انہیں منصب الوہیت پر متمکن کردینے پر، اف .....عقیدہ وایمان پر یہ غلط کوشیاں ..... جرأت اندازیاں، اعداء اسلام خصوصا پارسیوں نے رفض وتشیع کے غلو پر مبنی اعتقادات کو اپنی مقصد برآری اور اپنے مفادات کے حصول میں غنیمت جانا، چنانچہ جب اسلام کے تند وتیز سیل رواں کی قوت ان کی مملکت وسلطنت کو خس وخاشاک کی طرح بہالے گئی، ان کی شان وصلابت کے آثار ونقوش زمین بوس ہوگئے، تو انہوں نے اسلام کے خلاف اپنی ریشہ دوانیوں، فساد انگیزیوں اور چنگیز سامانیوں کی کامیابی کے لیے شیعیت کو وسیلہ بنایا، کیونکہ جن مقاصد کی تکمیل کی انہیں ضرورت تھی، وہ اسی شیعیت ہی کے ذریعہ ممکن تھی، امام ابن حزم علیہ الرحمۃ اس حقیقت کو بھانپتے ہوئے لکھتے ہیں: ''پارسی جب تلوار کے ذریعہ سے اسلام سے

(۱) الفرق بین الفرق: ۲۳۵۔ (۲) المصدر السابق: ۲۳۴۔

جنگ میں ناکام ہوگئے، تو اپنی جنگ جاری رکھنے کے لیے انہوں نے دوسرا وسیلہ اختیار کیا، انہوں نے دیکھا کہ حیلہ سازی اور فریب دہی مسلمانوں کے حوالے سے زیادہ سودمند ثابت ہوگی، تو ان کی ایک جماعت نے اپنے کو مسلمان ظاہر کیا، پھر اہل بیت کی محبت اور حضرت علی پر ہوئے ظلم کی شناعت کے اظہار کے ذریعہ ارباب تشیع کو اپنی طرف مائل کیا، پھر انہیں مختلف قسم کے سبز باغ دکھائے، یہاں تک کہ انہیں دائرۂ اسلام سے خارج کردیا''۔(۱)

اس طرح اہل باطل نے ہمیشہ اسلام کے اصل حقائق وعقائد کو مسخ کرنے کی عالمی سازشیں کی ہیں، مگر اہل حق نے کھل کر ان سے مقابلہ آرائی کی، اور اسلام پر چلائی جانے والی ہر تیر کو اپنے سینے سے روکا، اس طرح اہل باطل زمین کی خاک چاٹنے پر مجبور ہوگئے۔

قدریہ کے تعلق سے یہ بات معلوم ہے کہ قدر کے موضوع پر اول اول گفتگو ایک نصرانی شخص نے کی تھی، جس کا نام اہل تاریخ نے ''سنسویہ'' بتایا ہے، پھر اس کے عقائد کی تشہیر اس کے عزیز شاگرد ''معبد الجہنی'' نے کی۔

جہمیت کے تعلق سے امام ابن کثیر ابن عساکر سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ان الجعد أخذ مقالته عن بيان بن سمعان وأخذها بيان عن طالوت ابن أخت لبيد بن أعصم زوج ابنته وأخذها لبيد بن أعصم الذي سحر رسول الله ﷺ عن يهودي باليمن، وأخذ عن الجعد: الجهم بن صفوان". (۲)

یعنی جعد بن درہم نے یہ عقیدہ بیان بن سمعان سے لیا، اور بیان نے اسے طالوت ''لبید بن اعصم کے بھانجہ اس کی بیٹی کے شوہر'' سے لیا، اور لبید بن اعصم جس نے نبی ﷺ پر جادو کیا تھا، نے یمن کے ایک یہودی شخص سے حاصل کیا، پھر جعد بن درہم سے جہم بن صفوان نے لیا۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: "ان الجعد بن درهم قيل انه من أهل حرّان وكان فيهم خلق كثير من الصائبة والفلاسفة ..... فكانت الصائبة – إلا قليلا منهم – إذ ذاك على الشرك وعلماؤهم الفلاسفة". (۳)

جعد بن درہم کے بارے میں معروف ہے کہ وہ حران کا تھا، اور حران میں صابیوں اور فلسفیوں کی ایک بڑی تعداد بستی تھی، سوائے معدودے چند کے تمام صائبین شرک وانحراف میں مبتلا تھے، اور ان کے راہبر وہی فلاسفہ تھے، امام صاحب مزید فرماتے ہیں: انہیں لوگوں میں ایک جماعت ایسی بھی تھی جس کا عقیدہ اللہ تعالی کے بارے میں یہ تھا۔ اللہ تعالی کی صفات سلبیہ ہیں یا اضافیہ یا ان دونوں سے مرکب ہیں۔ لہذا یہ ضرور ہے کہ جعد بن درہم نے یہ عقیدہ انہیں صائبہ وفلاسفہ سے لیا ہوگا۔(۴)

امام احمد بن حنبلؒ نے ایک مناظرہ بیان کیا ہے جو جہم بن صفوان اور سمنیہ (۵) کے مابین ہوا، جس میں جہم بن صفوان

(۱) الفصل لابن حزم: ۱۱۵/۲۔ (۲) البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر: ۳۵۰/۹۔
(۳) مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ: ۲۱/۵، ۲۲، والملل والنحل للشہرستانی: ۱۱۲/۲۔ (۴) المصدر السابق۔
(۵) یہ ہندوستان کا ایک بت پرست باطل فرقہ ہے، جس کا عقیدہ ہے ہے کہ عالم قدیم ہے حادث نہیں، اور یہ دلائل معرفت باری کو حواس خمسہ پر محصور کرتا ہے، دیکھئے: الفرق بین الفرق: ۲۷۰، ولسان العرب: ۲۲۰/۱۳۔

کی انتہاء اس بات پر ہوئی کہ اس نے اللہ تعالی کو اس روح سے تشبیہ دے دی جو نہ تو دیکھ سکتی ہے نہ ہی محسوس کر سکتی ہے اور نہ ہی سن سکتی ہے۔(۱)

سابقہ سطور سے یہ بات واضح ہوگئی کہ فرق ضالہ منحرفہ کے بہت سے عقائد خارجی تاثیرات سے متاثر ہوئے جس کی وجہ سے اسلامی فرقوں میں بہت سے ایسے عقائد در آئے جن سے شریعت اسلامیہ کے دور سے بھی واسطہ نہیں۔

(۴) عقل کو نقل پر مقدم کرنا:

اہل بدع وانحراف نے شرعی قضایا میں عقل کو حاکم تصور کیا، جس کی وجہ سے انحراف کی وادیوں میں پیہم خلیج بڑھتی ہی چلی گئی، ایک طرف تو انہوں نے اعتقادی امور تک میں تقدیم نقل سے انکار کیا، دوسری طرف بہت ساری ایسی حدیثوں کے ساتھ رفض وانکار کا ناروا سلوک کیا، جو کسی بھی جہت سے ان کی تاویلات ومعقول کے ناموافق تھیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے نہ صرف صحیح وثابت شدہ احادیث کا انکار کیا بلکہ بہت سارے عادل وضابط رواۃ پر زبان طعن دراز کی، چنانچہ امام شاطبی علیہ الرحمۃ نے ان کے طرق استدلال پر تفصیل سے گفتگو کی ہے، فرماتے ہیں:

"ردهم للأحاديث التي جرت غير موافقة لأغراضهم ومذاهبهم ويدعون أنها مخالفة للمعقول وغير جارية مقتضى الدليل فيجب ردها كالمنكرين لعذاب القبر ..... ثم أضاف إلى ذلك قائلا: وما أشبه ذلك من الأحاديث الصحيحة المنقولة نقل العدول، ..... وربما قدحوا في الرواة من الصحابة والتابعين رضي الله تعالى عنهم – حاشاهم – وفيمن اتفق الأئمة من المحدثين على عدالتهم وإمامتهم". (۲)

انہوں نے ان تمام حدیثوں کو جو ان کے مسلکی رجحانات اور ذاتی اغراض ومقاصد کے خلاف تھیں رد کر دیا، اس دعوی کے پس پردہ کہ وہ عقل وخرد سے میل نہیں کھاتیں اور ساتھ ہی دلیل کے مقتضی پر صادق نہیں آتیں، لہذا ان کا قبول نہ کرنا ضروری ہے، جیسے کہ منکرین عذاب قبر نے کیا، ..... پھر اس کے بعد امام موصوف نے ان کی ردشدہ احادیث کا تفصیلی ذکر کیا ہے ..... پھر فرماتے ہیں: یہ (ردشدہ حدیثیں) عادل راویوں سے منقول صحیح وثابت احادیث سے کس قدر قریب ہیں۔

اور بسا اوقات تو انہوں نے "العیاذ باللہ" صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین پر بھی نقد وجرح کرنے سے گریز نہ کیا، اور ان لوگوں کو بھی نہ بخشا جن کی عدالت وامامت پر ائمہ محدثین کا اتفاق ہے۔

اگر ہم معتزلی افکار ونظریات کے قائدین کے تراجم وافکار پر ایک نگاہ ڈالیں تو یہ فکر بالکل واضح انداز میں ہمارے سامنے آتی ہے، چنانچہ امام خطیب بغدادی نے اپنی سند سے عمرو بن عبید "جو کہ قائدین معتزلہ میں سے ہے" سے بیان کیا ہے کہ اس "عمرو" نے اللہ کے رسول ﷺ سے ایک حدیث بیان کی، پھر کہا: (لو سمعت الأعمش يقول هذا لكذبته ولو سمعت زيد بن وهب يقول هذا ما أجبته ولو سمعت عبد الله بن مسعود يقول هذا ما قبلته ولو

(۱) الرد علی الجہمیۃ والزنادقۃ: ۲۷، ۲۸، مزید ملاحظہ ہو: المحقق الاثر: ۶۳۴ و ۶۳۵۔

(۲) الاعتصام لأبی اسحاق الشاطبی: ۳۰۹/۱، اسی کتاب میں مذکورہ موضوع پر تفصیلی بحث موجود ہے۔

سمعت رسول الله ﷺ يقول هذا لرددته، ولو سمعت الله تعالى يقول هذا لقلت له: (ليس على هذا أخذت ميثاقنا). (۱)

ایک حدیث کے تعلق سے اس کا جرأت مندانہ رویہ ملاحظہ کیجئے، کہتا ہے: اگر تم یہ حدیث اعمش کو بیان کرتے ہوئے سنتے تو جھٹلا دیتے، اگر زید بن وھب کو کہتے ہوئے سنتے تو جواب نہ دیتے، اگر عبداللہ بن مسعود کو بیان کرتے ہوئے سنتے تو اسے قبول نہ کرتے، اگر اللہ کے رسول ﷺ کو بیان کرتے ہوئے سنتے تو رد کر دیتے، اگر اللہ تعالی کو کہتے ہوئے سنتے تو جواب دیتے: اے اللہ! تو نے اس پر تو ہم سے عہد و پیمان نہ لیا تھا۔

امام ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ نظّام نے بھی اس حدیث کی تکذیب کی ہے، امام موصوف نے اس کا شاندار ناقدانہ جواب دیا ہے، جواب کے آخر میں لکھتے ہیں:

"وله أقاويل في أحاديث يدعى عليها انها مناقضة للكتاب وأحاديث يستبشعها من جهة حجة العقل وذكر أن جهة حجة العقل قد تنسخ الأخبار وأحاديث ينقض بعضها بعضا". (۲)

گویا نظّام سے بزعم خویش تین طرح سے احادیث پر نقد وکلام کیا ہے۔

اس نے بعض ان احادیث پر کلام کیا ہے جن کے بارے میں اس کا خیال ہے کہ وہ قرآن مجید کی مخالف ہیں، اور بعض احادیث کا عقلیاتی احتجاج سے ہم آہنگ نہ ہونے کی وجہ سے انکار کیا، اس کا کہنا ہے کہ کبھی کبھی عقلی حجت بھی احادیث واخبار کو منسوخ کر دیتی ہے، اور بعض احادیث پر کلام اس وجہ سے کیا کہ (اس کے مطابق) وہ حدیثیں ایک دوسرے کی ناقض ہیں، عقل ونظر کو اس درجہ اہمیت ومعنویت دینے کے حوالے سے ہم ارباب فکر اعتزال سے یہ سوال کرنا چاہتے ہیں کہ کیا تمام انسانیت کی فکریں مساویانہ صلاحیتوں کی حامل ہیں؟ کیا ان کے مابین کوئی فرق وامتیاز نہیں؟ کیا ایسا ممکن ہے کہ دنیا کی تمام عقلیں یکساں غور وفکر سے کام لیں؟ کیا ایسا نہیں کہ ایک عقل کسی چیز کا اثبات کرتی ہے تو دوسری عقل اسی کا انکار بھی کر بیٹھتی ہے، لہذا تم کس کی عقل کو میزان عدل ومعیار اصل قرار دوگے؟ پھر اگر عقلوں کا کام یہی ہے کہ وہ احکام سماویہ وامور شرعیہ میں دخل اندازی اور فکریاتی عذر پیش کریں تو پھر انبیاء ورسل کی بعثت کا کیا مطلب؟ نزول وحی کا کار بے فائدہ وبے سود ہو جائے گا، اگر عقلوں میں اس قدر پختگی وقوت آجائے، جب بھی نظریات وفکریاتی ہچکولے زندگی میں آئیں، تو اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول یاد کر لینا چاہئے، لو كان الدين بالرأي لكان المسح على أسفل الخف۔ گر دین عقل ورائے کی بنیاد پر ہوتا تو موزوں کے نیچے مسح کیا جاتا نہ کہ اوپر۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ انحرافات کے اہم محرکات میں سے عقل کو نقل پر مقدم کرنا ہے۔

(۵) فلسفیانہ کتابوں کی تعریب:

مامون کے دور حکومت میں وثنی عقائد اور یونانی فلسفہ پر مشتمل بہت ساری کتابوں کی تعریب ونقل عمل میں آیا، پھر ان

(۱) تاریخ بغداد للخطیب البغدادی: ۱۲/۱۷۲، اسی طرح عبداللہ بن احمد نے بھی ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو: السنۃ: ۱۳۵، مزید ملاحظہ ہو: الملل والنحل للشہرستانی: ۱/۵۷-۵۸۔

(۲) تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبۃ: ۴۲-۴۳۔

کی بڑے پیمانہ پر نشر واشاعت کا کام بھی ہوا، چنانچہ مسلمانوں کی ایک جماعت نے جب ان کتابوں کا جائزہ لیا تو ان کے منہج وفکر سے حد درجہ متاثر ہوئے، پھر شرعی حقائق کے لیے انہوں نے ان کتابوں کو میزان قرار دیا، اور کتاب وسنت کے نصوص کو ان فلسفیانہ مناہج کے موافق ومناسب کرنے میں قوتیں صرف کی جانے لگیں، جس کی وجہ سے امت مسلمہ خطرناک انحرافات اور شدید کج فکریوں سے دوچار ہوئی۔

امام ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "ثم انه لما عربت الكتب اليونانية في حدود المائة الثانية وقبل ذلك وبعد ذلك وأخذها أهل الكلام وتصرفوا فيها من أنواع الباطل في الأمور الالهية ما ضل به كثير منهم ..... وصار الناس فيها أشتاتا، قوم يقبلونها وقوم يجلون ما فيها وقوم يعرضونها على أصولهم وقواعدهم فيقبلون ما وافق ذلك دونما خالفه وقوم يعرضونها على ما جاء ت به الرسل من الكتاب والحكمة، وحصل بسبب تعريبها أنواع من الفساد والاضطراب مضموما إلى ما حصل من التقصير والتفريط في معرفة ما جاء ت به الرسل من الكتاب والحكمة"۔ (۱)

جب دوسری صدی ہجری کے حدود میں "اس سے قبل بھی اور بعد میں بھی" یونانی کتابیں مترجم ہوکر سامنے آئیں، اور اس میں اہل کلام نے الہیاتی مسائل میں باطل طریقوں سے کتر بیونت اور تصرف وتبدیلی سے کام لیا، جس کی بنا پر بہت سے لوگ گم گشتہ راہ ہوگئے، پھر مختلف ٹولیوں میں بٹ گئے، بعضوں نے اسے یونہی قبول کرلیا، بعض اس کی تفتیش اور چھان بین کرتے، اور بعض اسے اپنے خود ساختہ اصول وقواعد کی روشنی میں دیکھتے، اگر موافق ہوتا تو قبول کرتے ورنہ رد کردیتے، اور بعض انبیاء ورسل کی جانب سے لائی ہوئی کتاب وحکمت پر پیش کرتے، القصہ ان فلسفیانہ ومنطقیانہ کتابوں کے نقل وترجمہ نے معاشرتی شر وفساد، اضطراب وسراسیمگی پیدا کردی، ساتھ ہی سماوی کتاب وحکمت کی معرفت وتفہیم میں عقلیں تقصیر وکوتاہی کا شکار ہوگئیں۔

اس سے پہلے یہ بات بیان کی جاچکی ہے کہ معتزلی ارباب فکر نے فلاسفہ کی کتابوں کا خصوصی جائزہ اور گہرائی سے مطالعہ کیا ہے، جس کی وجہ سے فلاسفہ کے فکریاتی مناہج اور معتزلہ کے فکری وثقافتی مناہج میں یگونہ تطابق، ہم آہنگی اور اشتراک ہے، شہرستانی لکھتے ہیں: ابوالہذیل العلاف معتزلہ کا شیخ اکبر ہے، اس نے فلاسفہ کی موافقت اس باب میں کی ہے کہ اللہ تعالی عالم بالعلم ہے اور اس کا علم اس کی ذات ہے، اسی طرح وہ قادر بالقدرۃ ہے، اس کی قدرت ہی اس کی ذات ہے، اور بھی بدعات وانحرافات کہ الامان والحفیظ۔

شہرستانی مزید فرماتے ہیں: ابراہیم بن سیار نظّام نے معتصم کے دور حکومت میں فلسفیانہ مذاہب کے اثبات میں حد درجہ غلو کیا، اور قضاء وقدر اور رفض وغیرہ کے حوالے سے مختلف قسم کی بدعات کے ذریعہ سلف کے مسلک سے اختلاف کیا۔ (۲)

اس مختصر بیان کے ذریعہ یہ بات واضح ہوگئی کہ معتزلہ کے اکابر شیوخ وثنی فلسفہ سے کس قدر متاثر تھے۔

یہ اہم اسباب ومحرکات تھے جن کی وجہ سے اسلامی معاشرے میں انحرافات وبدعات کا ظہور ہوا۔ ☆☆☆

(۱) بیان تلبیس الجہمیۃ لابن تیمیۃ: ۱/۳۲۴۔ (۲) الملل والنحل للشہرستانی: ۱/۲۹، ۳۰۔

رحمۃ للعالمین کی توہین کی ناپاک سازش اور ہماری ذمہ داریاں

نسیم اختر عبدالمجید/فضیلت ثانی
متعلم جامعہ سلفیہ، بنارس

کچھ عرصہ پہلے توہین رسول اور اس سے ملتے جلتے چند حادثات پیش آئے ، جن میں سب سے نمایاں "Innocence of Muslims" نامی فلم ہے، جس نے دنیا بھر کے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچایا اور اسلامی حلقوں میں اشتعال کی فضا پیدا کردی، جس کے نتیجے میں لیبیا کے بعض مسلمانوں نے امریکی سفیر کو قتل کردیا، نیز بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں نے مظاہرہ کرکے اس واقعہ کی شدید مذمت کی اور جانی ومالی نقصان بھی اٹھایا۔

اس سلسلے میں جو چیز ہم اہل اسلام کے لیے قابل توجہ ہے وہ یہ کہ توہین رسول کی یہ ناروا کارستانی تاریخ کا کوئی نیا سانحہ نہیں جس سے مشتعل ہوکر مسلمان سڑکوں پر اتر آئیں اور سرکاری وغیر سرکاری املاک کو نقصان پہنچائیں اور بے قصوروں کی جان لیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول کی توہین، قرآن کی بے حرمتی، جبرئیل امین کی شان میں بے ادبی وگستاخی ایسی مجرمانہ حرکتیں ہیں جن کی قباحت بیان سے باہر ہے اور اس کے مرتکبین قرار واقعی سزا کے مستحق ہیں، بلکہ شاتم رسول کی سزا اگر وہ اس فعل شنیع سے باز نہیں آتا قتل ہے، اور مذہبی مقدسات کو زد پہنچانے والا عبرتناک سزا کا مستحق ہے، لیکن بھولنا نہیں چاہئے کہ اسلام ہمیں بہت سے مواقع پر صبر وتحمل سکھاتا ہے، اُھون البلیتین اور اَخف الضررین کے استعمال کا حکم دیتا ہے تاکہ کسی جذباتی عاجلانہ اقدام سے کسی بڑے خطرے کی راہ ہموار نہ ہوجائے جیسا کہ مربیٔ انسانیت رسول رحمت ﷺ کے اس عمل سے ظاہر ہوتا ہے جب آپ نے مسجد میں پیشاب کرنے والے اعرابی کو ڈانٹنے سے منع فرمایا۔

رہی بات غیر مسلموں کی جانب سے استخفاف رسالت کی تو اس کا سلسلہ رحمۃ للعالمین کے اعلان نبوت کے وقت ہی سے شروع ہوگیا تھا، اب تک جو شخص اپنی قوم میں ہر دلعزیز تھے، صادق وامین تھے، بلندیٔ اخلاق میں لاثانی تھے، محض اس بات پر کہ میں تم سب کی جانب اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، نذیر وبشیر ہوں، آپ اجنبی ٹھہرے اور آپ کا پیغام جو درحقیقت وحی ربانی تھا انوکھا ٹھہرا، یہ عجیب المیہ تھا کہ جس ذات کی صدق مقالی اور خوش خلقی کی تعریف کرتے ہوئے وہ تھکتے نہ تھے، اب ان ہی کی باتوں کا وہ انکار کررہے تھے، اس واقعہ کی ترجمانی اللہ نے یوں کی: ﴿فإنهم لا يكذبونك ولكن الظالمين بآيات الله يجحدون﴾ (الانعام:۳۳) سو یہ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے خیال میں آپ کی دعوت کا مرکزی نکتہ (کلمۂ توحید ورسالت) آپ سے پہلے کسی عرب نے نہیں اٹھایا جس کی بنا پر وہ آپ کی توہین وتحقیر اور تذلیل کرنے پر تل گئے اور اس توہین کی مختلف شکلیں ہوتی تھیں، کبھی آپ کو شاعر ودیوانہ کہہ کر آپ کی باتوں کو ناقابل التفات ٹھہراتے: ﴿ويقولون أئنا لتاركوا آلهتنا لشاعر مجنون﴾ (الصافات:۳۶) وہ کہتے کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کے کہنے پر چھوڑ دیں۔ اور کبھی آپ کو جھوٹے جادوگر جیسے برے لقب سے یاد کرتے: ﴿وعجبوا أن جاء هم منذر منهم وقال الكافرون هذا ساحر كذاب﴾ (ص:۴) انہیں اس بات پر تعجب ہوا

کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک ڈرانے والا آیا اور کافر کہنے لگے یہ جھوٹا جادوگر ہے۔ کبھی آپ کے متبعین کو بہکانے کے لیے نت نئی سازشیں رچتے: ﴿وقالت طائفة من أهل الكتاب آمنوا بالذي أنزل على الذين آمنوا وجه النهار واكفروا آخره لعلهم يرجعون﴾ (آل عمران:۷۲) اور اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا اہل ایمان پر جو کچھ اتارا گیا اس پر صبح کے وقت ایمان لے آؤ اور شام ہوتے ہوتے کفر کی طرف پلٹ آؤ تا کہ یہ لوگ بھی پلٹ جائیں۔

توہین وتذلیل کی انتہا اس وقت ہوگئی جب آپ علیہ الصلاۃ والسلام حرم شریف کے صحن میں نماز ادا کر رہے تھے اور آپ کی پیٹھ پر اونٹ کی اوجھڑی رکھ دی گئی، صحیح بخاری میں ہے: "ان النبي ﷺ كان يصلي عند البيت وأبو جهل وأصحاب له جلوس إذ قال بعضهم لبعض أيكم يجيئ بسلا جزور بنى فلان فيضعه على ظهر محمد إذا سجد فانبعث أشقى القوم فجاء به فنظر حتى إذا سجد النبي ﷺ وضعه على ظهره بين كتفيه وأنا أنظر لا أغنى شيئا لو كانت لي منعة قال فجعلوا يضحكون ويحيل بعضهم على بعض ورسول الله ﷺ ساجد لا يرفع رأسه حتى جاء ت فاطمة فطرحته عن ظهره"۔ (۱) نبی کریم ﷺ خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور ابوجہل اور ان کے ساتھی بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کون فلاں کی اونٹ کی اوجھڑی لا کر محمد ﷺ کی پیٹھ پر رکھے گا جب وہ سجدے میں ہوں گے، یہ بات سن کر وہاں موجود لوگوں میں سے بد بخت شخص اٹھا اور اوجھڑی لے آیا اور انتظار کرتا رہا، جب آپ ﷺ سجدے میں گئے تو اس کم ظرف نے اسے دونوں کندھوں کے درمیان آپ کی پیٹھ پر رکھ دیا، (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میں یہ تکلیف دہ منظر دیکھ رہا تھا مگر میرے بس میں نہیں تھا کہ میں آپ کو کچھ فائدہ پہنچا سکوں، کاش میرے پاس طاقت ہوتی، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس کارروائی کے بعد کفار ہنسنے لگے اور ایک دوسرے پر گرنے لگے اور اللہ کے رسول کا حال یہ تھا کہ آپ سجدے سے سر اٹھا نہیں پا رہے تھے یہاں تک کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خبر لگی، انہوں نے آکر آپ کی پشت سے اوجھڑی ہٹائی۔

قارئین! یہ ستم رانیاں تو صرف مکی زندگی کی معمولی سی جھلک ہے ورنہ اس جیسے کئی زہرہ گداز آلام سے آپ گذرے جس کا تفصیلی ذکر سیرت کی کتابوں میں موجود ہے پھر جب آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں یہودیوں نے آپ کو اور آپ کے صحابہ کو چین سے رہنے نہ دیا، جب تک آپ بقید حیات رہے مختلف طریقے سے آپ کی اہانت وتذلیل کے درپے رہے اور جب دنیا سے رخصت ہوئے تب بھی ان بدقماشوں کے غیظ وغضب کی آگ جوان کے سینوں میں سلگ رہی تھی ٹھنڈی نہیں ہوئی اور آپ کی لاش آپ کی قبر سے نکالنے کے لیے لمبی سرنگ بنانی شروع کر دی اور عنقریب وہ پہنچ ہی گئے تھے مگر اللہ نے نورالدین زنگی کے ذریعہ آپ کی قبر کی حفاظت فرمائی اور دسیسہ کاروں کو کیفر کردار تک پہنچایا۔

آپ ﷺ کی ذات، صفات اور اقوال کے خلاف ان دشمنوں نے سازشوں کا جال اتنی عیاری ومکاری سے پھیلا دیا ہے کہ ایک نصابی کتاب میں حامل وحی جبرئیل امین کو بانسری بجاتے ہوئے دکھایا گیا، گویا اس تصویر سے یہ باور کرانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ اللہ کا پیغام لانے والا فرشتہ جب اس قسم کی صفت سے متصف ہو تو وہ ثقہ اور قابل اعتبار نہیں، اسی

(۱) صحیح بخاری مع الفتح، باب إذا ألقي على ظهر المصلي قذر أو جيفة لم تفسد صلاته، كتاب الوضوء، جلداول، حدیث نمبر ۲۹۔

طرح امہات المومنین پر کیچڑ اچھالا گیا جو رسول اللہ ﷺ کی اک اک ادا کو دیکھ کر اور آپ کے فرامین سن کر افراد امت تک پہنچایا کرتی تھیں۔

ان سازشوں کا مقصد ہی یہ ہے کہ ذخیرۂ احادیث کو غیر معتبر ٹھہرایا جائے تا کہ امت تعلیمات نبوی سے دور ہو کر بے دست و پا ہو جائے۔

اسلام پر ہونے والے ان متواتر حملوں کے اسباب ومحرکات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے تا کہ مناسب دفاعی اقدامات کیے جاسکیں۔

مختلف ملکوں کے ادارے کی شماریاتی رپورٹ کے مطابق حلقہ بگوشان اسلام کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے اور اسلام عالمی برادری میں ایک مقبول مذہب بنتا جارہا ہے، اس کا اندازہ جرمن چانسلر (صدر نشیں) کے حال ہی میں دیے گئے اخباری بیان سے ہوتا ہے: ''اسلام جرمن معاشرہ کا حصہ بن چکا ہے''، اور امریکہ کے مائیکل ہارٹ نے تو بہت پہلے "The 100" نامی کتاب لکھ کر معتبر وموقر شخصیات میں رحمۃ للعالمین ﷺ کو سرفہرست جگہ دی، دین حق کی یہ پذیرائی اور پیغمبر عالم سے والہانہ اظہار محبت عالم انسانیت پر فطری اثر ہے، لیکن جن کے دل ہدایت سے اندھے ہو گئے اور جنہوں نے نور ہدایت کو گل کرنے کی قسم کھالی ہے وہ حبیب کبریا ﷺ کی شخصیت پر وجاہت کے پیچھے تن ومن سے پڑ گئے، ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ چاند پر تھوکنے والے کبھی چاند کو میلا نہیں کر سکتے، بلکہ وہ تھوک خود اسی کے چہرے پر گر کر اسے داغدار کر دے گا، مقام رسالت نبوت ایسے بدنصیبوں اور بے توفیقوں کی دسترس سے بہت دور ہے، آج تک جس نے بھی قصر رسالت پر نقب لگانے کی کوشش کی ذلت ورسوائی اور دائمی شقاوت اس کے حصے میں آئی، کیونکہ رب العالمین نے اپنے کلام مقدس کے ذریعہ آپ کے اعلی مرتبہ کا اعلان کر دیا: ﴿ورفعنا لك ذكرك﴾ (الشرح:۴) ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا۔

شاعر رسول حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کیا خوب مدح سرائی کی:

وضم الإله اسم النبي مع اسمه إذا قال في الخمس المؤذن أشهد (۱)

اور اللہ نے نبی کا نام اپنے نام کے ساتھ اس طرح ملا لیا ہے کہ جب جب مؤذن نماز پنج گانہ کے لیے اللہ کی وحدانیت کی شہادت دے گا رسول کی رسالت کی شہادت بھی ضرور دے گا۔

ذمہ داریاں:

لیکن اتنا کہہ کر ہم اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے کیونکہ بحیثیت مسلمان اور امت اجابہ دین حنیف کا دفاع ہمارا منصبی فریضہ ہے، لہذا اس کی ادائیگی کے احساس کے ساتھ چند اہم باتیں ہمیں ملحوظ رکھنی ہوں گی:

(۱) احادیث رسول کی طرف ہماری رغبت کثرت سے ہو، تا کہ انہیں یاد کر کے من وعن غیروں تک پہنچائیں اور معاشرے میں جو سنتیں مردہ اور ناپید ہو گئیں ہیں انہیں پھر سے زندہ کریں۔

(۲) صحیح احادیث کی روشنی میں آپ کی سیرت طیبہ وممکنہ وسائل سے چہار دانگ عالم میں عام کریں اور اس سلسلے میں

(۱) ازھار العرب ص ۱۲، ابوعبداللہ محمد بن یوسف السورتی، تصحیح وتشریح: مولانا ابوالقاسم فاروقی۔

جوغلط فہمیاں ہیں انہیں دور کریں۔

(۳) ہم اپنی عملی واخلاقی خامیوں کی طرف توجہ دیں کہ کہیں شعوری یا لاشعوری طور پر ہم خود سنن رسول کی اہانت وتذلیل کے باعث تو نہیں بن رہے ہیں۔

(۴) دین کے چار لازمی عناصر پر اپنی توجہ مرکوز کریں: ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر۔

(۵) ناراضگی کے موقع پر رسول کا اسوہ سامنے رکھیں: "ما انتقم لنفسه قط إلا أن تنتهك حرمات الله"(۲) آپ نے اپنے نفس کے لیے کبھی بدلہ نہیں لیا، ہاں اگر معاملہ حدود اللہ کا ہوتا تو آپ اسے برداشت نہ کرتے۔

(۶) ہم اپنی سیرت وکردار سے ثابت کریں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے سچے پیروکار ہیں اور ان کی ہر ہر ادا کو اپنا کر ہم فخر محسوس کرتے ہیں، اسلامی وضع قطع سے ہمیں نفرت نہیں۔

اللہ رب العالمین کی ذات سے دعا گو ہوں کہ وہ ہم سب کو دین پر ثابت قدمی عطا فرمائے، اسلام کی راہ میں پیش آنے والے امتحانات میں ہمیں کامیاب کرے، آمین۔ ☆☆☆

قارئین محدث کی خدمت میں

ماہنامہ ''محدث'' جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس سے شائع ہونے والا جماعت اہل حدیث کا واحد رسالہ ہے جو مسلسل کئی دہائیوں سے دینی، اصلاحی اور علمی معلومات آپ تک پہنچا رہا ہے، اس رسالے کا مقصد ہی یہی ہے کہ عوام تک صحیح اور نکھرا ہوا اسلام پہنچائے، ہم نے رسالے کے لیے ایسی پالیسی بنائی ہے کہ عوام وخواص سب یکساں طور پر اس سے مستفید ہوسکیں۔

کوئی بھی رسالہ ہو اپنے قارئین کے تعاون کے بغیر کامیابی کے مراحل نہیں طے کرسکتا ہے، الحمدللہ رسالہ محدث کی مقبولیت میں برابر اضافہ ہو رہا ہے اور یہ ہمارے قارئین کی کوششوں کا ثمرہ ہے، آپ بخوبی جانتے ہیں کہ اس گرانی کے دور میں ماہنامہ رسالہ نکالنا اور اس کے لیے سرمایہ مہیا کرنا کس قدر مشکل ہے، اگر ہمارے قارئین تھوڑی توجہ فرمائیں تو ہماری یہ مشکل دور ہوسکتی ہے۔

محدث کا زرسالانہ نہایت قلیل یعنی -/Rs.150 ہے، ہمارے بہت سے اخوان صرف لاپرواہی کی وجہ سے مدت خریداری ختم ہونے کے بعد بھی زرسالانہ نہیں بھیجواتے ہیں، حالانکہ اس کی اطلاع انہیں دے دی جاتی ہے، اس طرح کئی سال کا بقایا رہ جاتا ہے، جب محدث ارسال کیا جاتا ہے تو اس کے ایڈریس لیبل پر مدت خریداری اور اشتراک نمبر لکھ دیا جاتا ہے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ اسے ضرور ملاحظہ کرلیا کریں۔ ہمارا ضمیر گوارہ نہیں کرتا کہ محض آپ کی غفلت کی وجہ سے رسالہ بھیجنا بند کریں، ہم سب کے لیے یہ ایک بڑا نقصان ہوگا۔

جن قارئین کے ذمہ محدث کا بقایا ہے، ان سے گزارش ہے کہ وہ بقایا رقم جلد از جلد ارسال فرمائیں تاکہ ہمارے رسالے کو معاشی بحران کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ والسلام (ادارہ محدث)

(۲) بخاری کتاب الادب، باب یسروا ولاتعسروا۔

خانوادۂ سید عبدالسلام صاحبؒ بون فیکٹری بلہاری، کرناٹک کے آخری چشم و چراغ سید عبدالتواب صاحب عالم آخرت کی طرف روانہ

جنوبی ہند کی مشہور و معروف مخیّر جماعتی شخصیت، جناب سید عبدالسلام صاحب مالک بون فیکٹری بلہاری، کرناٹک کے تمام فرزندان بالترتیب، سید عبدالحمید صاحب، سید عبدالرحمٰن صاحب، سید عبداللہ صاحب، سید عبدالحفیظ صاحب کے بعد سید عبدالتواب صاحب بھی مورخہ: ۱۹/اکتوبر ۲۰۱۲ء موافق ۲/ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ کو جمعہ کی شب ایک بجے اللہ تعالی کو پیارے ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف کا گھرانہ عرصہ سے علماء اہلحدیث کا مرکز ضیافت وتکریم رہا ہے۔ متحدہ ہندوستان کے علماء کا جو بھی وفد جنوبی ہند کے دعوتی دورہ پر ہوتا تو وہ ضرور اس گھرانے کو اپنی زیارت سے نوازتا۔ مثلاً شیخ الحدیث مولانا عبدالغفور صاحب غزنوی ناظم مدرسہ سلفیہ غزنویہ امرتسر، مشہور عربی ادیب مولانا محمد صاحب سورتی، شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار صاحب کھنڈیلوی، مولانا عبداللہ حافظ عبداللہ صاحب روپڑی، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، مولانا ابومسعود صاحب قمر بنارسی، مولانا سید تقریظ احمد صاحب سہسوانی، شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ صاحب مبارکپوری، مولانا عبدالرؤف صاحب جھنڈانگری وغیرہم رحمہ اللہ کا ورود مسعود یہاں ہوا ہے۔

جناب سید عبدالتواب صاحب رحمہ اللہ انجینئرنگ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنے آبائی کاروبار سے ہٹ کر ''کان کنی'' (مائننگ) کی لائن اختیار کرکے ''زینت مائنس'' کے نام سے کاروبار شروع کیا۔ اللہ تعالی نے آپ کو مال و دولت سے خوب نوازا۔ اپنے والد محترم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سینکڑوں یتیم و بیوہ، فقراء و مساکین، مقروض و مجبور افراد کی دستگیری کرتے اور مدارس و مساجد کی ضروریات پوری فرماتے رہے۔ سلفی بیت المال بلہاری کی آپ نے کافی مالی مدد فرمائی، جس کی کسی کو ذرہ برابر خبر نہیں تھی۔

مرحوم کا نکاح ممبئی کے مشہور ''مہر بخش'' خاندان ماہم میں ہوا۔ اللہ تعالی نے آپ کو چار لڑکیاں اور ایک لڑکا سید احمد (مالک زینت مائنس) عنایت فرمایا۔ اپنے اس صاحبزادے کی آپ نے ایسی مثالی تعلیم و تربیت فرمائی کہ وہ ان کے صحیح جانشین بن گئے ہیں۔ اللہ تعالی آپ کے دینی کارناموں کو قبول فرمائے اور اپنے والد کے لیے صدقہ جاریہ فرمادے۔ (آمین) موصوف پچاسی (۸۵) سال کی عمر پاکر اس دنیائے فانی سے آخرت کی طرف کوچ کرگئے۔

شہر بلہاری و ریاست کرناٹک و آندھرا کی خلق کثیر، مذہبی سیاسی و سماجی ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے معززین شریک جنازہ رہے، نماز جنازہ بعد نماز جمعہ آپ کے بڑے بھائی سید عبداللہ صاحب رحمہ اللہ کے نواسے انجینئر مولوی سنٹی سعد عمری حفظہ اللہ نے پڑھائی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی مرحوم کے حسنات کو قبول فرما کر جنت الفردوس اعلی علیین میں جگہ عنایت فرمائے، اور ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا کرے، آمین۔ قارئین سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

شریک غم

عبدالوہاب عبدالعزیز جامعی سکریٹری اسلامیہ مینارٹی ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر ٹرسٹ ہرپن ہلی، کرناٹک

اخبار جامعہ

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں
ایک روزہ دینی وتربیتی پروگرام

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں ۲۱/اکتوبر ۲۰۱۲ء بروز اتوار ایک روزہ دینی وتربیتی پروگرام کا اہتمام کیا گیا، پروگرام کی پہلی نشست جامعہ کے کانفرنس ہال میں شیخ محمد یونس مدنی حفظہ اللہ کی نظامت میں صبح دس بجے شروع ہوئی، تلاوت قرآن کریم کے بعد جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلی مولانا عبداللہ سعود سلفی حفظہ اللہ نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا، پروگرام کی اہمیت وضرورت اور پس منظر وتفصیلات پر روشنی ڈالی، اس کے بعد شیخ عبدالوہاب حجازی حفظہ اللہ نے ''قرآن کریم کی اہم تعلیمات اور ہماری ذمہ داریاں'' کے عنوان سے ایک بے حد مفید اور جامع خطاب فرمایا، آپ نے قرآن کریم کی اہمیت، اس کے نزول کے طریقے، اس کے اعجاز کے اسباب اور اس کی حفاظت کے آسمانی نظام کی وضاحت کرتے ہوئے سامعین کو یہ باور کرایا کہ بنیادی طور پر قرآن کریم کتاب توحید ہے، اس کتاب سے ہمیں اللہ کی معرفت، اس کے اسماء وصفات کی جانکاری، اور اس کے افعال وحقوق کی آگاہی حاصل ہوتی ہے، اس کتاب نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، اس لیے عبادت کی کوئی بھی قسم ہم غیر اللہ کے لیے انجام نہیں دے سکتے، اس کتاب نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ جب اللہ ہی ہمارا خالق ومالک اور پوری کائنات کا مدبر ہے تو ہمیں حکم بھی صرف اللہ کا ماننا چاہئے اور اللہ کے مقابلہ میں کسی اور کے حکم کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے، اس کتاب نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ یہ دنیا ہمیشہ قائم ودائم نہیں رہے گی، ایک نہ ایک دن فنا ہو جائے گی، دنیا کے خاتمہ کے بعد اللہ رب العالمین سارے انسانوں کو دوبارہ زندہ کرے گا، اپنے وفاداروں اور فرماں برداروں کو جنت کی شکل میں انعام دے گا، اپنے باغیوں اور نافرمانوں کو جہنم کے ذریعہ سزایاب کرے گا، یہی سب قرآن کی بنیادی تعلیمات ہیں، ہمیں ان تعلیمات کو جاننا ماننا، عمل میں لانا اور دنیا میں پھیلانے کا بیڑہ اٹھانا چاہئے۔ اللہ تعالی ہم سب کو اس کی توفیق دے، آمین۔

پروگرام میں دوسرا خطاب شیخ عزیز الرحمن سلفی حفظہ اللہ نے کیا، آپ کا موضوع تھا: ''حدیث نبوی کی اہم تعلیمات اور ہماری ذمہ داریاں''، آپ نے اس سلسلہ میں سے پہلے حدیث نبوی کا تعارف پیش کیا، مختلف مثالوں کے ساتھ اس کی قسموں کی وضاحت فرمائی اور پھر متعدد آیات قرآنیہ کے حوالہ سے حدیث نبوی کی اہمیت اور قدر وقیمت کو واضح کیا اور یہ فرمایا کہ حدیث نبوی کے بغیر دین اسلام کی کامل تصویر دنیا کے سامنے پیش نہیں کی جاسکتی۔ نماز، زکاۃ، روزہ، حج وعمرہ جیسی اسلام کی بنیادی عبادات بھی حدیث نبوی کے بغیر انجام نہیں دی جاسکتیں، دین کو سمجھنے اور دین اسلام پر عمل پیرا ہونے کے لیے انسان ہمیشہ حدیث نبوی کا محتاج رہے گا، مختلف واقعات کے حوالہ سے آپ نے فرمایا کہ امت کے بڑے بڑے مسائل اور تنازعات کو آپ ﷺ کی وفات کے بعد حدیث نبوی نے حل کیا اور آج بھی ہمارے اختلافات کے تصفیہ کی اس کے اندر قوت وصلاحیت ہے، مگر افسوس کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح نہ حدیثوں کی قدر کرتے ہیں نہ ان پر عمل کرتے ہیں اور نہ اپنے تنازعات کے حل کے لیے ان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ظہر کی اذان کے ساتھ پروگرام کی یہ نشست اپنے اختتام کو پہنچی۔

نماز اور کھانے سے فراغت کے بعد پروگرام کی دوسری نشست جوسوال وجواب پر مشتمل تھی، دوپہر دو بجے سے شروع ہوئی اور عصر کی اذان (۳:۱۵) بجے تک چلی، اس نشست کی نظامت شیخ عبداللہ عبدالرؤف سلفی نے سنبھالی اور شیخ علی حسین سلفی، شیخ نورالہدی سلفی اور شیخ ابوزید ضمیر نے سامعین کے استفسارات کا تشفی بخش جواب دیا۔ شہر اور بیرون شہر سے آئے ہوئے سامعین نے اس مجلس سے خوب فیض حاصل کیا، ان کی خواہش تھی کہ اس سلسلہ کو مزید دراز کیا جائے، مگر چونکہ طے شدہ پروگرام میں تبدیلی آسان نہ تھی، اس لیے سامعین سے معذرت کرلی گئی۔

عصر کے بعد پروگرام کی تیسری نشست شیخ عبدالرحیم ریاضی کی نظامت میں شروع ہوئی، یہ نشست نماز کی اہمیت وکیفیت کے بیان اور اس کے عملی مظاہرہ کے لیے مخصوص کی گئی تھی، شیخ اسعد اعظمی حفظہ اللہ نے نماز کی اہمیت اور اس کے صحیح طریقۂ کار کے عنوان سے ایک مختصر اور جامع تقریر پیش کی اور پھر ایک طالب علم کے عملی مظاہرہ کے ذریعہ نماز کے ایک ایک عمل کی صحیح اور غلط دونوں شکلیں لوگوں کے سامنے واضح کیں، اسکرین اور پروجیکٹر پر ابھرنے والی تصویروں اور شیخ اسعد حفظہ اللہ کے وضاحتی بیانات سے حاضرین کو نماز کا صحیح طریقہ سمجھنے میں کافی سہولت ملی۔

اس ایک روزہ پروگرام کی آخری نشست شیخ عبدالمتین مدنی حفظہ اللہ کی نظامت میں شروع ہوئی، اس نشست کے لیے موضوع تھا: ''جماعت اہلحدیث: الزامات وحقائق''، پونہ مہاراشٹر سے آئے ہوئے مہمان مقرر شیخ ابوزید ضمیر حفظہ اللہ نے اس اہم موضوع پر جامع خطاب فرمایا، سب سے پہلے آپ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں سوءظن کی مذمت کی پھر جماعت اہلحدیث پر لگنے والے بڑے الزامات کی حقیقت کو ایک ایک کرکے بڑے مدلل وعمدہ طریقے سے بیان کیا۔

اہل حدیث انگریزوں کا پیدا کردہ نیا فرقہ ہے، یہ فرقہ رسول کو نہیں مانتا، صحابہ کو نہیں مانتا، خلفاء راشدین کو نہیں مانتا، ائمہ اربعہ کو نہیں مانتا، اولیاء اللہ کو نہیں مانتا، اجماع کو نہیں مانتا، علماء کی قدر نہیں کرتا، مسلمانوں کو ایک دوسرے سے لڑاتا اور ان پر کفر کے فتوے لگاتا ہے۔ دلائل وحقائق کی روشنی میں لوگوں کی غلط فہمیاں دور کیں۔ آپ کے انداز بیان اور علمی متانت وپختگی نے سامعین کو بہت متاثر کیا۔ تقریر کے بعد شیخ نے سامعین کے موضوع سے متعلق بعض سوال کا جواب دیا۔ اس طرح یہ پروگرام رات (۸:۳۰) بجے عشاء کی اذان کے ساتھ اپنے اختتام کو پہنچا۔

اللہ تعالی پروگرام کے منظمین، معاونین، مشترکین تمام کو جزائے خیر سے نوازے، پروگرام کو ہر طرح سے بارآور بنائے اور اس کے اثرات کو دور دور تک پہنچائے، آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين. ☆☆☆

ماہنامہ **محدث** بنارس

ایک علمی، اصلاحی، دینی اور دعوتی رسالہ ہے، اس کے فروغ اور توسیع اشاعت میں بھرپور حصہ لیں، اس کے لیے مالی تعاون کرنا آپ کا اخلاقی فریضہ ہے۔ (ادارہ)

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی رسنٹرل لائبریری جامعہ سلفیہ

حلب میں تاریخی جامع مسجد اموی نذر آتش:

شام میں حکومت مخالف جنگجوؤں کے تعاقب میں فوج کے ہاتھوں عبادت گاہیں اور تاریخی مقامات بھی محفوظ نہیں ہیں، انقلاب کونسل کے ترجمان محمد سعید کا کہنا ہے کہ ساحلی شہر حلب میں سرکاری فوج نے تاریخی جامع مسجد اموی کو بھی پٹرول بموں اور وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے حملوں سے نذر آتش کر دیا ہے، ذرائع کے مطابق کئی ماہ سے جامع مسجد اموی کو فوجی چھاؤنی کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔ (خبر نامہ دہلی: ۱۲/۱۰/۱۶)

''اللہ-آزادی اور محبت'' نامی کتاب پر پابندی:

''اللہ- آزادی اور محبت'' نامی اس کتاب کی مصنفہ پاکستانی نژاد ہے، اور کنیڈا میں قیام پذیر ہے، جس نے اپنی اس کتاب میں اسلام اور مسلم معاشرے کے تضادات کو موضوع بنا کر اسلامی روایات کا استہزاء کیا ہے۔ بنابریں ملیشیا کی وزارت داخلہ نے مسلمانوں کے احتجاج کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کتاب کی خرید وفروخت اور طباعت پر حکم امتناع نافذ کیا ہے، اور اس کی خلاف ورزی کی صورت میں بطور جرمنہ خطیر رقم اور مزید تین سال قید ہو سکتی ہے۔

واضح ہو کہ مذکورہ مصنفہ نے اس سے قبل بھی ''اسلام اور کمزوریاں'' نامی کتاب لکھ کر اسرائیل کے کسی ناشر سے شائع کروایا تھا۔ (اخبار تحقیق: جولائی-ستمبر ۲۰۱۲ء)

سعودی فرماں روا شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کا کامیاب آپریشن:

خادم الحرمین الشریفین شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز حفظہ اللہ کا سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض میں کمر کا کامیاب آپریشن کیا گیا ہے، آنجناب کمر میں درد کے باعث ریاض میں واقع کنگ عبدالعزیز میڈیکل سٹی میں زیر علاج تھے۔ (راشٹریہ سہارا لکھنؤ: ۱۲/۱۱/۱۹)

سعودی عرب میں خواتین کے لیے خصوصی مرکز:

سعودی انڈسٹریل پراپرٹی اتھارٹی کو دور جدید کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک ایسے مرکز کے قیام کا فرمان جاری کیا گیا ہے جو صرف خواتین کے لیے مختص ہوگا، جہاں پر شریعہ قانون کے دائرہ میں رہ کر خواتین کو تابناک کیریر بنانے کے مواقع فراہم کئے جائیں گے۔

خبروں کے مطابق خواتین کے لیے اس خصوصی مرکز کی تعمیر کا کام آئندہ سال سے شروع ہو جائے گا۔

(دی سنڈے انڈین: ۱۲/۱۰)

☆☆☆

باب الفتاوی

سوال نمبر۱: سجدہ میں جاتے وقت پہلے ہاتھ رکھنا چاہئے کہ یا گھٹنا، اور دوران سجدہ پیروں کی کیا کیفیت ہونی چاہئے؟

سوال نمبر۲: دوران سجدہ تسبیحات سجدہ کے علاوہ مزید دعا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب نمبر۱: صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ زیادہ صحیح اور راجح بات یہ ہے کہ سجدہ کے لیے جھکتے وقت پہلے زمین پر ہاتھ رکھنا چاہئے، نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو پہلے ہاتھ رکھ کر سجدہ میں جانے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ سنن ابی داود میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "إذا سجد أحدكم فلا يبرك كما يبرك البعير وليضع يديه قبل ركبتيه" (سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ: باب کیف یضع رکبتیہ قبل یدیہ، ح: ۸۴۰، نسائی: ۲/ ۲۰۷) یعنی جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو وہ اونٹ کی طرح نہ بیٹھے، بلکہ اپنے دونوں ہاتھوں کو (زمین پر) گھٹنوں سے پہلے رکھے۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے، دیکھئے: ارواء الغلیل ح: ۳۵۷، صحیح الجامع الصغیر ۱/ ۱۶۴، ح: ۵۹۵)

اونٹ کی طرح بیٹھنے کی جو ممانعت آئی ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں ہاتھ (سجدہ میں جاتے وقت زمین پر) گھٹنوں سے پہلے رکھا جائے، کیونکہ اونٹ جب بیٹھتا ہے تو اپنے گھٹنے زمین پر پہلے رکھتا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ اس کے گھٹنے اس کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔

ابن خزیمہ میں ایک روایت ہے جس میں حضرت امام نافعؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما گھٹنوں سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ رکھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے"۔ (ابن خزیمہ ح: ۶۲۷، بیہقی: ۲/ ۱۰۰، حاکم: ۱/ ۲۲۶)

اس حدیث کو امام حاکم نے صحیح مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور امام ذہبیؒ نے ان کی موافقت کی ہے، اس کے مقابلہ میں حضرت وائل بن حجرؓ کی ایک روایت ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جب سجدہ کے لیے جاتے تو گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے رکھتے تھے، اس کو امام ابوداود نے کتاب الصلاۃ میں ذکر کیا ہے، لیکن یہ روایت سنداً ضعیف ہے، اس کی سند میں ایک راوی شریک بن عبداللہ القاضی ہے، جو ضعیف ہے، دیکھئے: سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: ۲/ ۳۲۹۔

اوپر کی تفصیلات سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوگئی کہ سجدہ میں جاتے وقت آدمی اپنے دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھے، اماموں اور محدثین میں سے امام اوزاعی، امام مالک، امام ابن حزم اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل کا بھی یہی موقف ہے۔

حضرت وائل بن حجرؓ سے مروی حدیث کو اگر صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث کو اس ضعیف حدیث پر کئی وجوہ سے ترجیح حاصل ہوگی۔

پہلی وجہ ترجیح یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث قولی ہے اور حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیث فعلی ہے اور قولی و فعلی حدیث میں تعارض کی صورت میں ترجیح قولی حدیث کو ہوتی ہے، اس لیے ابن ترکمانی نے کہا ہے کہ حدیث ابو ہریرہ کی دلالت قولی ہے اور حدیث ابن عمرؓ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، لہذا اس کو حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیث پر ترجیح ہوگی، کیونکہ اس کی دلالت فعلی ہے۔ (الجوہر النقی: ۱/ ۱۰۰)

دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہاتھوں سے پہلے گھٹنوں کو رکھنے کی ممانعت ہے، اور تعارض کی

صورت میں ممانعت والی حدیث کو ترجیح ہوتی ہے۔

جہاں تک دوران سجدہ پیروں کی کیفیت کا مسئلہ ہے تو اس بارے میں واضح ہو کہ سجدہ کی حالت میں دونوں پیروں کی ایڑیوں کو ملا کر کھڑی رکھنا چاہئے اور پیروں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی جانب ہونا چاہئے، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب مایقال فی الرکوع والسجود ح: ۴۸۶) کی حدیث ہے، ماں عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ میرے بستر پر تھے اور رات کو میں نے آپ کو بستر پر نہیں پا کر آپ کو تلاش کرنا شروع کیا۔

فوقعت يدي على بطن قدميه وهو في المسجد وهما منصوبتان۔

یعنی میرا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے قدموں کے تلوؤں پر لگا، اس وقت آپ حالت سجدہ میں تھے، اور آپ کے قدم مبارک کھڑے تھے۔

اس طرح صحیح بخاری (۸۲۸) کا ماحصل یہ ہے کہ سجدہ کی حالت میں پاؤں کی انگلیوں کے سرے قبلہ کی طرف مڑے ہوئے رکھنا چاہئے اور قدم بھی کھڑے رہیں۔

ایک دوسری روایت اس طرح مروی ہے کہ:

فوجدته ساجدا راصا عقبيه مستقبلا بأطراف أصابعه القبلة۔ (بیہقی:۱/۱۱۶)

یعنی میں نے آپ کو سجدہ کی حالت میں اس طرح پایا کہ آپ ﷺ اپنی ایڑیوں کو ملانے والے اور اپنی انگلیوں کے سروں کو قبلہ رخ کرنے والے تھے۔

اوپر کی تمام تفصیلات سے معلوم ہوا کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھنا چاہئے، پھر گھٹنوں کو، اسی طرح حالت سجدہ میں ایڑیوں کو کھڑی کر کے ملا کر رکھنا چاہئے اور انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف رکھنا چاہئے۔

جواب نمبر۲: صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ بہت ساری احادیث صحیحہ میں دوران سجدہ دعا مانگنے کی ترغیب دی گئی ہے اور یہ تمام احادیث عام ہیں یعنی فرض اور نفل نماز کی تخصیص کے بغیر تمام سجدوں کو شامل ہیں، اور ان میں دنیا و آخرت کی خیر طلب کرنا اور ان کے شر سے پناہ مانگنا جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہے، آپ ﷺ نے خود ایسا کیا ہے اور کرنے کا حکم بھی دیا ہے، چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

وعن ابن عباس رضي الله عنهما قال كشف رسول الله الستارة والناس صفوف خلف أبي بكر فقال أيها الناس ! إنه لم يبق من مبشرات النبوة إلا الرؤيا الصالحة يراها المسلم أو ترى له ألا واني نهيت أن أقرأ القرآن راكعا أو ساجدا، فأما الركوع فعظموا فيه الرب عز وجل وأما السجود فاجتهدوا في الدعاء فقمن أن يستجاب لكم" (صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب النہی عن قرأۃ القرآن فی الرکوع والسجود، ح:۴۷۹، أبوداود، کتاب الصلاۃ، باب فی الدعاء فی الرکوع والسجود، ح:۸۷۶)

یعنی حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پردہ ہٹایا، لوگ حضرت ابوبکر ؓ کے پیچھے صفیں باندھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! نبوت کی بشارتوں میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی سوائے اچھے خواب کے جسے مسلمان دیکھتا ہے یا اسے دیکھایا جاتا ہے، خبردار! مجھے رکوع اور سجدہ میں قرآن پڑھنے سے روکا گیا ہے، رکوع میں تم اپنے رب کی تعظیم کرو اور سجدہ میں دعاء

کرنے میں کوشش کرو، یہ تمہاری دعاء قبولیت کے زیادہ لائق ہے۔

اسی طرح ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: أقرب ما يكون العبد من ربه وهو ساجد فأكثروا الدعاء"۔ (صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب مایقال فی الرکوع والسجود، ح:۴۸۲)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بندہ اپنے رب کے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ کی حالت میں ہو، پس (تم سجدے کی حالت میں) کثرت سے دعا کرو۔

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری (۲/۳۰۰) میں مسلم شریف کی اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد رقمطراز ہیں کہ: "والأمر بإكثار الدعاء في السجود يشمل الحث على تكثير الطلب لكل حاجة كما جاء في حديث أنس: يسأل أحدكم ربه حاجته كلها حتى سسع نعله"۔ (أخرجه الترمذي ويشمل التكرار للسوال الواحد) یعنی سجدوں میں کثرت سے دعاء مانگنے کا حکم ہر قسم کی حاجت کو کثرت سے طلب کرنے کی ترغیب پر مشتمل ہے، جیسا کہ حضرت انسؓ کی حدیث میں آیا ہے کہ: ''تم میں سے ہر ایک اپنی تمام حاجات اپنے رب سے مانگے، یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ بھی''۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے اور یہ حدیث ایک ہی سوال بار بار کرنے کو بھی شامل ہے۔

علامہ شوکانیؒ الدرر البہیۃ ص ۳۲ میں رقمطراز ہیں:

"الإستكثار من الدعاء بخير الدنيا والآخرة بما ورد وبما لم يرد" یعنی نماز میں دنیا وآخرت کی بھلائی کی دعا کثرت سے مانگنی چاہئے خواہ وہ دعا منقول ہو یا نہ ہو۔

فقہ السنۃ میں علامہ سید سابقؒ فرماتے ہیں کہ: "والمستحب أن لا يقتصر المصلي على التسبيح بل يزيد عليه ما شاء من الدعاء" (فقہ السنۃ: ۱/۱۴۶) یعنی نمازی کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ صرف تسبیح پر اکتفاء نہ کرے بلکہ اس پر جو بھی دعاء چاہے اضافی طور پر مانگے۔

اسی طرح ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب التشہد ح: ۹۶۸ وصحیح بخاری ح: ۸۳۱ میں ایک حدیث اس طرح ہے کہ: "ثم يتخير من الدعاء أعجبه إليه" یعنی تم میں ہر کسی کو جو دعاء پسند ہو اختیار کرے۔

اوپر کی تمام تفصیلات سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے نمازی کو اختیار دے دیا ہے کہ وہ دعاء کرنے کی جگہوں میں جو چاہے دعاء کرے، اس کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ قرآن وسنت میں مذکور وماثور ایسی دعائیں جن میں دنیا وآخرت کی ہر قسم کی بھلائی، خیر وفلاح شامل ہیں، ان میں سے کوئی اختیار کرلے، لیکن اگر کوئی شخص ایسا ہے جسے ماثور دعائیں یاد نہیں ہیں یا وہ اپنی مطلوبہ ضرورت کو عربی میں نہیں بیان کرسکتا ہے تو ایسی صورت میں وہ اپنی زبان میں بھی اپنی ضرورت اللہ تعالی کے سامنے پیش کرسکتا ہے۔

اللہ رب العالمین تمام مسلمانوں کو سنت ثابتہ کے مطابق نماز پڑھنے اور دعاء کرنے کی توفیق دے، آمین۔

الجواب صحیح
علی حسین سلفی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

ھذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب
ابوعفان نورالہدی عین الحق سلفی مالدہی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس